Scanned with CamScanner

سحر ساجد

طاقتِ پرواز

مکمل ناول

وہ پارک میں رکھے لکڑی کے بینچ پہ بیٹھی اس طرح آئس کریم کھا رہی تھی جیسے کہ ساتھ بیٹھے شخص سے زیادہ اہمیت اس آئس کریم کپ کی تھی اور وہ بہت اچھی طرح سے جانتی تھی کہ اسے اب غصہ آ رہا ہو گا وہ اس کی خفا نظریں اپنے چہرے پہ محسوس کر سکتی تھی مگر اس کے آئس کریم کھانے میں فرق نہیں آیا تھا۔

وہ ہنوز اسی توجہ سے آئس کریم کھاتی رہی اور اس شخص کے لیے اس کی لاپروائی قائم تھی۔

"ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے کہ تم یہاں آئس کریم کھانے ہی تو آئی ہو۔" اس نے علی کی غصہ بھری جھنجلائی آواز سنی۔ بالآخر وہ بول پڑا تھا اپنی بے ساختہ ہنسی کو چھپانے کے لیے اس نے ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے رخ بدلا تھا۔

"آپ یہاں مجھے آئس کریم کھلانے ہی تو لائے تھے۔ دادا سے یہی کہا تھا آپ نے۔۔۔" اس نے چہرے پہ ایسی مسکراہٹ تھی جیسی کسی کو چھیڑنے کے لیے ہوتی ہے۔

"ہاں مگر۔۔۔" وہ اور جھنجلایا تھا۔

"مگر کیا؟ اب میں جس کام کے لیے خصوصی طور پر گھر سے آئی ہوں۔۔۔ وہی نہ کروں۔" وہ اب بھی اسے دیکھ نہیں رہی تھی اور اپنے سابقہ کام میں بڑی مستقل مزاجی سے مصروف تھی۔

پھر اس نے اپنے چہرے پہ علی کی نظروں کی جو تپش محسوس کی تھی۔ وہ احساس غصہ یا جھنجلاہٹ کا نہیں تھا اسے لگا وہ اسے سنجیدہ نظروں سے گھور رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ سر اٹھا کر علی کو دیکھتی اس نے علی کا ہاتھ اپنے کپ کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا تھا اور۔۔۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ ڈسٹ بن میں تھا۔

"آ۔۔۔" اس کا منہ کھلا اور اس نے حیران ہو کر علی کو دیکھا تھا اور اب علی کے چہرے پہ بڑی محظوظ ہوتی مسکراہٹ تھی۔

"تمہارے اور میرے درمیان جو بھی ایسی چیز آئی جسے تم نے مجھ سے زیادہ اہم سمجھا اس کا یہی حال ہو گا۔" اس نے۔۔۔ انگلی سے ڈسٹ بن کی طرف اشارہ کیا تھا۔ عائشہ نے برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا تھا۔

"پھر دادا سے کیوں کہا کہ آئس کریم کھلانے لے کر جا رہا ہے۔۔۔ سیدھا سیدھا یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ مجھے عائشہ کے ساتھ جانا ہے۔" وہ اب خفگی سے بول رہی تھی۔

"کیا؟ اب میں تمہارے دادا سے یہ کہتا محترم میرا رومینس کا موڈ ہو رہا ہے تو میں اپنی منکوحہ کے ساتھ باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"تو کہہ دیتے۔۔۔ میرے دادا بہت لبرل ہیں، وہ مجھے اپنے محرم رشتے کے ساتھ جانے سے ذرا بھی نہ روکتے۔"

"وہ اتنے بھی لبرل نہیں ہیں۔۔۔ اس بات پہ وہ یقیناً "مجھے اٹھا کر ڈرائنگ روم سے باہر پھکوا دیتے۔"

"آپ کہہ کر دیکھ لیتے۔"

اس کے اس جواب پہ علی خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"میری ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔۔۔ مگر محترمہ چاہتی ہیں میں جھوٹ نہ بولتا تمہیں میری ذرا بھی پروا نہیں

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ہے عائشہ" بڑے افسوس کے ساتھ اسے آگاہ کیا گیا تھا اپنا اسکارف صحیح کرتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

"زندگی میں، میں نے دو ہی مردوں کی پروا کی ہے جن میں دادا کے بعد دوسرے تم ہو اور تم کہتے ہو کہ مجھے تمہاری پروا نہیں۔" اس نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر جھکایا تھا اور علی اسے دوبارہ مراقبے میں جاتا دیکھ کر بے ساختہ جھنجلایا تھا۔

وہ بہت کم بولتی تھی آج غنیمت تھی کہ اس نے چار باتیں کر لی تھیں ورنہ علی تو خود کو دنیا کا بے وقوف ترین آدمی مانتا تھا تب جب وہ اس کے ساتھ ہوتا تھا اور تب جب وہ بول رہا ہوتا ۔۔۔ کیونکہ وہ تو ہمیشہ خاموش ہوتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"انرجی کی کتنی فارمز (Forms) ہوتی ہیں عائشہ؟" سونے سے پہلے دادا نے اچانک پوچھا تھا۔

اور وہ سمجھی تھی کہ وہ اسے کل ٹیسٹ کا ریوائز کروانے کے لیے پوچھ رہے ہیں۔

"تھرمل' پوٹینشل' کیمیکل' ساؤنڈ' الیکٹریکل انرجی اور ـــ" وہ انگلیوں کی پوروں پہ گنتے ہوئے شروع ہو چکی تھی۔ دادا مسکرا کر اسے دیکھتے رہے۔ وہ دس سال کی بچی انہیں بے حد عزیز تھی۔

"بس ـــ ہو گئیں کاؤنٹ سب؟" انہوں نے پوچھا۔

"میری ٹیچر نے اتنی ہی لکھوائی تھیں۔"

وہ ذرا کنفیوژن سے بولی تھی۔ دادا کے انداز سے اسے لگا تھا کہ جیسے وہ کچھ مس کر گئی تھی۔ "ہاں! تمہاری ٹیچر نے جو لکھوایا ـــ وہ تم نے بتا دیا مگر تمہیں معلوم ہے کہ انرجی کی ایک اور فارم بھی ہوتی ہے جسے کوئی ٹیچر لکھواتا ہے ـــ نہ بتاتا ـــ وہ صرف ایک ـــــــ محترم ہستی نے ہی بتائی تھی وہ بھی چودہ سو سال پہلے ـــ تب جب انرجی کی کوئی بھی فارم ابھی دریافت نہیں ہوئی تھی۔

ہم سائنس پڑھتے ہیں ـــ اسے اپلائی بھی کرتے ہیں مگر ہم اسلام پڑھتے ہیں نہ اسے اپلائی کرتے ہیں یا پھر شاید ابھی ہم اسلامک باتوں کو سائنسی طریقے سے جسٹی فائے کرنے کے قابل ہی نہیں ہوئے۔"

اسے دادا کی باتیں مشکل لگ رہی تھیں۔ اسے اسلام سے دلچسپی تھی نہ ہی سائنس سے ـــ

وہ تو بس انرجی کی اس فارم کو جاننا چاہتی تھی جو کہ وہ مس کر گئی تھی اسے بس جاننے کی جلدی تھی دس سال کی بچی کی دل چسپی اور کس میں ہو گی؟

"Grand pa! You are telling me or not"

وہ دادا کو گرینڈ پا تب بولتی تھی جب کہ وہ ناراض ہوتی یا پھر بہت موڈ میں اور اس وقت وہ موڈ میں نہیں تھی۔

"تم نے مجھ سے اس ہستی ـــــــــــــ کے بارے میں نہیں پوچھا جنہوں نے انرجی کی وہ فارم بتائی تھی۔" دادا نے اپنے پہلو میں لیٹی اس بچی سے ذرا ناراض ہو کر کہا تھا۔

"کیونکہ میں جانتی ہوں وہ کون تھے۔ وہ اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔" اس نے یہ بات کسی سبق کی طرح دہرائی تھی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ـــــ اللہ کے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے؟"

"کیونکہ آپ نے چودہ سو سال کا ذکر کیا تھا۔" وہ جھنجلائی تھی۔ یہ بالکل سامنے کی بات تھی تو دادا کیوں پوچھ رہے تھے۔ مگر وہ تو اسے پوائنٹ پہ لا رہے تھے۔

"کیا آخری نبی کے بعد کوئی نبی آئے گا عائشہ؟" انہوں نے سوال کیا تھا۔ یہ سوال ہر روز ـــ ہر رات کسی نہ کسی طریقے سے حربے سے اس سے ضرور پوچھا جاتا تھا۔

"نہیں! ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

"اور اگر کوئی یہ کہے کہ ان کے بعد کوئی نبی آئے گا تو وہ کیا ہے؟"

"وہ مرتد ہے ـــ وہ کافر ہے۔" اس نے روز کی طرح یہ بات بھی دہرائی تھی۔

"کیا ایک مسلمان کو یہ گوارا ہے کہ وہ مرتد ہو کر مرے؟"

"نہیں! ایک مسلمان ایسا نہیں کر سکتا۔"

"مسلمان کو کیسی موت کی تمنا کرنا چاہیے عائشہ؟"

"اسے ایمان کے ساتھ مرنے کی تمنا کرنی چاہیے دادا۔" یہ جواب اس نے جمائی روک کر دیا تھا اسے اب نیند آ رہی تھی دادا اب اسے وہ دعا سنانے کو کہہ رہے تھے جو کہ سورۃ بقرہ کی آخری آیات میں سے تھی باوجود اس کے کہ وہ غنودگی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے دعا صحیح سنائی تھی۔

دادا اب بہت پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہے تھے اور وہ آپ بتدریج نیند کی طرف جا رہی تھی۔

"آپ نے مجھے انرجی کی وہ فارم نہیں بتائی جس کو

WWW.PAKISTANWEB.PK

اللہ کے آخری نبی (صلی اللہ علیہ و سلم) نے بتایا تھا۔"
اس نے اچانک پوری آنکھیں کھول کر کہا تھا یوں جیسے وہ نیند کو بھگانا چاہتی ہو۔۔۔ پھر دادا نے اسے انرجی کی وہ فارم بتائی تھی۔

"یہ عجیب سی بات ہے۔" جواب سن کر عائشہ کو تھوڑی دقت محسوس ہوئی تھی یقین کرنے میں۔

"کیوں۔۔۔ کیوں ہے؟" گرینڈپا نے الٹا سوال کر دیا تھا۔ ان کے سوال پہ وہ منہ اٹھا کر گرینڈپا کو دیکھنے لگی تھی۔

"آپ اس بات کو Jastify کریں۔"

"میں ضرور کروں گا مگر ابھی نہیں۔۔۔ کل۔۔۔ ابھی تم سو جاؤ۔"

"That's not fair" وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

وہ اس پر کمبل برابر کرنے لگے تھے یہ اس بات کا اعلان تھا کہ انہیں اس کے احتجاج کی بالکل بھی پروا نہیں ہے۔

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔" انہیں کمبل کے اندر سے آواز آئی تھی۔

"یہی بات تم مجھے ٹھیک دس منٹ بعد کہنا تب ہم اس موضوع پہ بات کریں گے۔"

"اوکے!" اب کے کمبل کے اندر سے بہت پرجوش سی آواز ابھری تھی۔ اور ٹھیک دس منٹ بعد دادا نے اس کے چہرے سے کمبل ہٹا کر دیکھا تھا۔ وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

"اللہ تمہارا ایمان سلامت رکھے۔" روز کی دی جانے والی دعا ایک دفعہ پھر انہوں نے دہرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم اتنا کم کیوں بولتی ہو؟" اس سوال پہ عائشہ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ وہ کافی دیر سے یوں ہی خاموش چل رہے تھے۔

"مجھے لگتا ہے کہ میری باتیں لوگوں کو Bother کرتی ہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"پتا نہیں لوگ کہتے ہیں میں عجیب ہوں، میری باتیں عجیب ہیں کچھ کچھ ماورائی۔" ۔۔۔ علی نے آج عقل مندی کا کام کیا تھا۔ وہ اسے آج آئس کریم کھلانے نہیں لے کر گیا تھا۔ وہ اس کے گھر کے باہر والے روڈ پر جو کہ نیچے کی طرف جاتا تھا ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ وہ مری کا ایک پر سکون علاقہ تھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ تم عجیب ہو اور جہاں تک باتوں کا تعلق ہے وہ تو تب ہی پتا چلے گا جب تم کچھ بولو گی۔"
اس بات پہ وہ ہلکا سا ہنسی تھی۔

"آپ خود کو خوش قسمت تصور نہیں کرتے۔ آپ ان خوش قسمتوں میں شامل ہیں جن کی بیویاں کم بولتی ہیں۔" چلتے چلتے رک کر اس نے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائی تھی۔

"نہیں! میں تب خود کو خوش قسمت سمجھوں گا جب میری بیوی اپنے دادا کی طرح مجھ سے بھی دل کی ہر بات۔۔۔ سب کچھ شیئر کرنے لگے گی۔" وہ اب اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے سر پہ چمکنے والے سورج کو دیکھ رہی تھی۔ یہ علی سے نظریں نہ ملانے کی ایک لاشعوری سی حرکت تھی۔

"مجھے ریلیشنز بنانے نہیں آتے۔ میں اس معاملے میں بہت بری ہوں۔"

"کوئی بات نہیں میں اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ اچھا ہوں۔"

جیب میں ہاتھ ڈالے، اس کے سامنے کھڑا شخص مسکرایا۔ عائشہ نے بے اختیار نظریں جھکائی تھیں وہ چند لمحے تک یوں ہی اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"تم نے میرے پرپوزل سے انکار کیوں کیا تھا؟" علی نے ایک قدم آگے بڑھ کر پوچھا تھا۔

عائشہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا اسے اندازہ تھا کہ علی یہ سوال ضرور کرے گا۔ وہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔

"یہی خوف تھا نا کہ تم اس رشتے کو استوار نہیں کر سکو گی۔" اب کی بار عائشہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا

Scanned with CamScanner

WWW.PAKSITANWEB.PK

تھا کتنا عرصہ ہوا تھا ان کے نکاح کو ـــ محض دو ماہ اور اس عرصے میں وہ کتنی بار ملے تھے؟ دو تین یا پھر چار مرتبہ ـــ اور اتنا صحیح اندازا ـــ کیا تھا وہ شخص ـــ

چند لمحوں بعد اس نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔ علی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تھپتھپایا تھا۔ یہ اسے کسی تسلی کی طرح محسوس ہوا اور ایک دفعہ پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ خاموشی سے چلنے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

غیاث احمد کا تعلق لاہور کے ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ ان کی چھ اولادیں تھیں پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا انہوں نے اپنی اوقات کے مطابق بیٹیوں کو پڑھایا اور پھر ایک ایک کر کے ان کی شادیاں کر دی تھیں۔ بیٹا سب سے چھوٹا تھا۔

غیاث احمد اپنے زمانے کے بی اے پاس تھے۔ انہوں نے بیٹیوں کو بھی پڑھایا اور چاہتے تھے کہ بیٹا بھی تعلیم حاصل کرے مگر وہ تعلیمی میدان میں چلا نہیں اور میٹرک بھی پاس نہیں کر سکا تھا۔ تب غیاث احمد نے چاہا کہ وہ کوئی ہنر سیکھ لے مگر وہ کوئی کام بھی نہیں کر سکا۔ بہنوں اور ماں کے پیار نے صرف اسے بگاڑا ہی تھا۔ وہ جو ہل کر پانی تک نہیں پی سکتا تھا وہ کام یا محنت خاک کرتا۔

یہ انہی دنوں کی بات تھی جب ارسلان احمد محض بیس سال کا تھا۔ اس کی ماں کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی کچھ اس کی پریشانی بھی تھی۔ گھر کا خرچ ابھی تک غیاث احمد اٹھا رہے تھے۔ تبھی ارسلان کی ماں کو اک نئی بات سوجھی۔ ان کے خیال میں شادی اس مسئلے کا حل تھی لیکن شادی مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔ یہ ارسلان احمد جیسے کیسز میں مزید مسائل کا باعث بنتی ہے۔

غیاث احمد کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے ارسلان کی شادی محض اکیس سال کی عمر میں کر دی تھی اور بائیس سال کی عمر میں وہ باپ بھی بننے والا تھا مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ گھر کا خرچ ابھی تک غیاث احمد کے کندھوں پہ تھا الٹا آمنہ (ارسلان کی بیوی) کو اپنے اخراجات کے لیے ٹیوشنز کرنی پڑتی تھیں۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ کچھ پڑھی لکھی تھی۔

شروع شروع میں آمنہ نے نرمی سے ارسلان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی اگر وہ سمجھانے سے سمجھنے والا ہوتا تو یقیناً" اپنے ماں باپ کی بات سب سے پہلے سمجھتا ـــ اور بات بالآخر آئے روز کے جھگڑے تک جا پہنچی تھی۔

ان ہی جھگڑوں سے تنگ آ کر ارسلان نے باہر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ باہر جانے کے لیے سب سے پہلے پاسپورٹ بنوانا پڑتا ہے اس کے پاس پاسپورٹ بنوانے تک کے پیسے نہیں تھے ویزہ تو دور کی بات تھی اور غیاث احمد اس سلسلے میں اس کی مدد کرنے والے نہیں تھے۔ تبھی وہ آمنہ سے اس کی سونے کی بالیاں بیچنے پہ اصرار کرنے لگا تھا آمنہ کے پاس وہ بالیاں واحد قیمتی چیز تھیں اور انہیں وہ ارسلان کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ انہی لڑائی جھگڑوں سے آمنہ کا بی پی ہائی رہنے لگا تھا جو کہ اس حالت میں اس کے لیے یقیناً" اچھا نہیں تھا۔

اور پھر ایک رات ـــ

انہی سونے کی بالیوں کی وجہ سے ان کا جھگڑا ہوا تھا اور وہ جھگڑا اتنا شدید تھا کہ اس کے ماں باپ اٹھ گئے تھے غیاث احمد بار بار ارسلان کو دروازہ کھولنے کا کہہ رہے تھے۔ مگر وہ دروازہ نہیں کھول رہا تھا۔

وہ سخت غصے میں تھا اور شاید اس نے پی بھی رکھی تھی سو اس نے آمنہ کو بری طرح سے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ باہر ـــ اس کے ماں باپ کا شور تھا اور اندر آمنہ کی چیخیں ـــ وہ انسان 'انسان نہیں رہا تھا شیطان بن گیا تھا۔

غصہ حرام ہے اور یہ حرام چیز یقیناً" انسان سے حلال کام نہیں کرواتی۔ ہوش تو اسے تب آیا جب آمنہ بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔ تب اسے پتا چلا کہ اس نے کیا کیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے وہ بیلٹ نیچے گرا جس سے وہ آمنہ کو مار رہا تھا اور پھر دروازہ کھول کر وہ گھر

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سے بھاگ گیا تھا۔ اس کے ماں باپ کو تب اس کی پروا نہیں تھی انہیں اندر گرے وجود کی فکر تھی۔

باوجود اس کے کہ ارسلان کی ماں نے انہیں آمنہ کو ہسپتال لے جانے سے منع کیا تھا اس سے پولیس کیس بن سکتا تھا پھر بھی وہ اسے ہسپتال لے کر گئے تھے۔ وہ اتنے بے رحم نہیں بن سکتے تھے ان کی بیوی کو اب بھی اپنے بیٹے کی فکر تھی وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔۔۔ اور یہی وہ غلط رویہ تھا جس نے ارسلان کو بگاڑا تھا۔

پولیس کیس بنا۔۔۔ وہ تو شکر تھا کہ آمنہ نے ان کے حق میں بیان دے دیا تھا ورنہ غیاث احمد، جیل بھگت رہے ہوتے مگر آمنہ نے ارسلان کو معاف نہیں کیا تھا اور اس طرح ارسلان کے خلاف قتل کا مقدمہ بنا تھا۔ اسے مفرور قرار دیا گیا تھا اور آمنہ۔۔۔ وہ تو شاید اسی دن مر گئی تھی جب اس کی ارسلان احمد سے شادی ہوئی تھی۔ ہاں البتہ اس کی طبعی موت اب واقع ہوئی تھی وہ بھی بچی کی پیدائش کے دوران۔

ساری عمر انہوں نے بیٹیوں کو پالا تھا۔۔۔ شادیاں کی تھیں اور اب ایک اور بیٹی۔۔۔ وہ بھی اس بڑھاپے میں۔

ارسلان کی ماں کو غم کھائے جا رہا تھا۔ ایک ہی بیٹا تھا اور وہ بھی اس بڑھاپے میں انہیں چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ بعد میں انہوں نے ارسلان کے بارے میں کچھ افواہیں سنی تھیں مگر ان تمام افواہوں میں ایک بات مشترکہ تھی۔

"اس نے باہر جانے کے لیے اپنے پاسپورٹ پر مذہب کے خانے میں سیکولر لکھوا لیا تھا۔"

اس طرح اس کا باہر جانا، ویزا لگنا بہت آسان ہو گیا تھا لفظ "اسلام" اس کی زندگی میں یقیناً" بہت سی مشکلات لے کر آتا۔ سو اس نے اسی چیز کو بدل ڈالا تھا۔

تبھی غیاث احمد نے ایک فیصلہ کیا وہ اس بچی کو لوگوں کی باتوں اور ان زبانوں کے شر سے بچانے کے لیے اپنا شہر چھوڑ کر۔۔۔ سب کچھ بیچ کر مری آ گئے تھے یہ ایک مشکل فیصلہ تھا مگر انہیں یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا۔ ان کی پانچوں بیٹیاں، رشتے دار سب لاہور میں تھے ایسے میں مری جا کر بسنا؟ ارسلان کی ماں سمیت سب نے ان کے اس فیصلے کی مخالفت کی تھی مگر انہوں نے فیصلہ نہیں بدلا تھا۔

لاہور اور مری کے درمیان جتنا فاصلہ تھا۔

وہ اس سے کہیں زیادہ فاصلے پہ اپنے تمام رشتے داروں کو رکھنا چاہتے تھے اور وجہ تھی ان کی پوتی، جس کے باپ نے دنیاوی فائدے کے لیے بے دین ہونا قبول کر لیا تھا۔ وہ ان کے ساتھ جا ملا تھا جو کہتے تھے کہ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد بھی کوئی نبی آئے گا (معاذ اللہ) لاہور میں اس بچی کی زندگی بھی آسان نہ ہوتی اور نہ ہی کبھی اس کی شخصیت مضبوط ہو پاتی اس لیے وہ مری میں آ بسے تھے۔ یہاں آ کر انہوں نے اپنے پاس موجود سرمایہ سے ایک پرانی عمارت خریدی تھی اس عمارت کو انہوں نے ریسٹ ہاؤس میں بدلا تھا۔ پچپن سال کی عمر میں۔ جب لوگ پوتے پوتیوں کو کھلایا کرتے ہیں کرسی پہ بیٹھ کر عیش کیا کرتے ہیں انہیں ایک دفعہ پھر سے محنت کرنی تھی۔ اپنی پوتی کو پالنا تھا اسے پڑھانا تھا۔ سب سے بڑھ کر اس کی تربیت کرنی تھی اور اس معاملے میں وہ اب اپنی بیوی پہ مکمل اعتماد نہیں کر سکتے تھے۔

بیٹے کے عمل نے پچپن سال کے اس شخص کے لیے زندگی کا مفہوم بدل ڈالا تھا۔ ان کی دنیا کو جیسے دوزخ میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا اس بات کے لیے وہ صرف اپنی بیوی کو ہی الزام نہیں دیتے تھے وہ خود کو بھی قصوروار سمجھتے تھے۔ باپ کا کام صرف کما کر کھلانا پلانا ہی نہیں ہوتا۔۔۔ اس کے کیا فرائض ہوتے ہیں یہ اب انہیں سمجھ آیا تھا۔

عائشہ۔۔۔

یہ نام انہوں نے خود اپنی پوتی کا رکھا تھا۔ وہ انہیں اتنی پیاری تھی کہ صرف اس کے لیے وہ اپنا سب کچھ لاہور دفن کر آئے تھے۔ وہ کوئی بزنس مین نہیں تھے اس عمر میں انہوں نے بزنس کے حوالے سے ڈپلوماز کیے تھے۔ کمپیوٹر چلانا سیکھا تھا انگلش لینگویج کورس کیا تھا اور ساتھ ساتھ اپنا ریسٹ ہاؤس بھی چلایا تھا

Scanned with CamScanner

انہیں کوئی گزارے لائق بزنس نہیں کرنا تھا وہ اپنے ریسٹ ہاؤس کو ایک اعلا پائے کا ریسٹ ہاؤس بنانا چاہتے تھے اسی کے لیے انہوں نے یہ سب پاپڑ بیلے تھے اور ایسا کرنا مشکل تھا۔ اس عمر میں پڑھنا۔۔۔ سیکھنا جب آپ کو یادداشت کی کمزوری لاحق ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ محنت کرنا۔۔۔ جب آپ کے اعضاء جواب دینے لگتے ہیں گھونسلا بنانے کے لیے پھر سے ایک ایک تنکا اکٹھا کرنا۔۔۔ یقیناً" یہ مشکل تھا مگر نا ممکن نہیں تھا۔

جہاں تک عائشہ کا تعلق تھا شروع کے تین سال تک انہیں اس کے حوالے سے زیادہ مسائل کا سامنا نہیں تھا۔ مسئلہ تب بنا جب ان کی بیوی کا انتقال ہوا تھا۔ اس تین سال کی بچی کو سنبھالنا؟ لیکن انہوں نے اسے سنبھالا بھی۔۔۔ پالا بھی اور تربیت بھی کی ایسی تربیت جو کہ بہت کم لوگ اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔ وہ تین سال کی عائشہ کو گھٹنے پہ بٹھا کر آنے جانے والوں کو ڈیل کیا کرتے تھے۔ ان کا ریسٹ ہاؤس آہستہ آہستہ چلنے لگا تھا۔

عائشہ کی اسکولنگ بہترین ہوئی تھی۔ اسے غیاث احمد خود پڑھایا کرتے تھے۔ جہاں تک مذہبی تعلیم کا تعلق تھا تو وہ مسجد میں قرآن پڑھانے والے قاری اور کورس کی ایک اسلامیات کی کتاب پہ انحصار نہیں کر سکتے تھے اور وہ بھی ایسی اسلامیات کی کتاب جس میں اکثر واقعات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

شروع کے سالوں میں انہوں نے اپنے لیے اپنے بزنس کے لیے محنت کی تھی اور اب وہ عائشہ کے لیے محنت کر رہے تھے۔ غیاث احمد نے صحیح احادیث کا مطالعہ کرنا شروع کیا تھا۔ انہوں نے ترجمہ پڑھا۔ تفسیر پڑھی۔ ان کا ماننا تھا کہ پاکستان کا بچہ جو محض تین' ساڑھے تین سال کی عمر میں تین مختلف زبانیں (اردو' عربی انگلش) سیکھ سکتا ہے دین سیکھنے کے لیے بچے کو کسی ادارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ چیز والدین سکھاتے اور پڑھاتے ہیں۔ اس کے لیے بچے کو نہیں ان کے ماں باپ کو Educate کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

غیاث احمد جانتے تھے کہ کھانا سیدھے ہاتھ اور پلیٹ میں اپنے آگے ______ سے کھایا جاتا ہے' پانی بیٹھ کر پیا جاتا ہے' ناخن جمعے روز تراشے جاتے ہیں اور نماز میں کوئی چھوٹ نہیں جھوٹ بولنے سے کیا ہوتا ہے اور بددیانتی کا انجام کیا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کیا ہوتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ کس چیز سے خوش ہوتا ہے اور کس سے ناراض۔۔۔ عائشہ کے دادا پڑھے لکھے تھے سوائے کسی دینی ادارے کی ضرورت نہیں تھی۔

اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی سے اسلامک اسٹڈیز میں ماسٹر کرنے کے بعد غیاث احمد نے عائشہ کو سعودی عرب بھیجا تھا۔ حدیث میں Phd کرنے کے لیے اور اب وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آچکی تھی۔

دین Way of life ہے۔۔۔ یہ کوئی بہت مشکل چیز نہیں ہے اور یہ ایسی چیز بھی نہیں ہے جو معاشرے کے ایک طبقے تک محدود کر دی جائے۔ دین اور دنیا دو الگ چیزوں کے نام نہیں ہیں بلکہ دین میں دنیا ہے۔ دنیا میں دین نہیں۔۔۔" عائشہ کو وہ سب کام کرنے سکھائے گئے تھے جس کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اس سب کے باوجود غیاث احمد کے دل سے یہ خوف نہیں جاتا تھا کہ وہ ارسلان احمد کی بیٹی ہے۔ یہ انہی کا بیٹا تھا جس کا خون عائشہ کی رگوں میں تھا۔ اسی لیے وہ اسے ہر روز یہ بھولنے نہیں دیتے تھے کہ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

یہ بات انہوں نے اس کی گھٹی میں شامل کر دی تھی مگر پھر بھی یہ خوف آج تک ان کے دل میں موجود تھا۔ باوجود اس کے عائشہ ایک اچھی بیٹی' اچھی مہمان اور اچھی عورت تھی۔ وہ اپنے دادا کی طرح ایک کامیاب بزنس ویمن بھی تھی۔

وہ چار کمروں پہ مشتمل ریسٹ ہاؤس اب کئی کمروں کے ریسٹ ہاؤس میں بدل چکا تھا۔ اس کے علاوہ مری میں غیاث احمد کے ہوٹلز بھی تھے۔ وہ محنت جو کہ عمر

Scanned with CamScanner

کے بچپن سالوں میں شروع کی گئی تھی آج ستائیس سال بعد پھل دے رہی تھی۔ غیاث احمد نے عائشہ کو ہر چیز چاہے وہ دنیا کی ہو یا دین کی دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن۔۔۔

عائشہ میں بہت سی خوبیاں تھیں مگر پھر بھی وہ مکمل یا پھر کوئی جامع خوبیوں کا مرقع نہیں تھی۔ ہر انسان کی طرح اس میں بھی کچھ بشری کمزوریاں تھیں وہ بچپن سے اکیلی رہنے کی عادی تھی وہ لوگوں سے زیادہ گھل مل نہیں سکتی تھی مختصر یہ کہ اسے لوگوں کی عادت نہیں تھی۔ اسے شور برداشت نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اس نے گھر میں اپنے اور دادا کے علاوہ کسی کو نہیں پایا تھا۔ وہ ریزروڈ تھی' خاموش رہنا پسند کرتی تھی۔ لوگوں سے ایک حد رکھ کر ملتی تھی اس لیے لوگ اسے روڈ کہتے تھے اس کی باتیں انہیں کسی اور دنیا کی لگتی تھیں۔ وہ اسے عجیب کہتے تھے۔ دنیا کا کیا ہے انہیں تو ہر وہ شخص عجیب اور ماورائی لگتا ہے جو اسلام کی بات کرتا ہے۔ وہ عجوبہ نہیں تھی مگر لوگ کم و بیش اس کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ مری میں ایک سرکاری میٹنگ اٹینڈ کرنے آیا تھا اور سرکاری ریسٹ ہاؤس میں اس کا ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہیں آیا تھا۔ گو کہ ان ریسٹ ہاؤسز میں سہولت اور ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی تھی مگر پھر بھی اسے وہ صدیوں پرانے لگتے تھے۔ وہ مری کے سب سے مشہور ریسٹ ہاؤس میں سرکاری خرچ پہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا آخر کو وہ ڈی او فوریسٹ تھا اتنا سا ہیر پھیر کرنا تو اس کا حق تھا۔

قدرے اونچائی پہ بنی وہ عمارت دیکھنے کے لائق تھی۔ اس کے ایک بازو پہ کوٹ دھرا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ سوٹ کیس کو گھسیٹ رہا تھا۔ سن گلاسز سر پہ ٹکے تھے اور وہاں کا منظر اسے بے حد متاثر کر رہا تھا سبزہ' پہاڑ' دھندلا سا موسم' فضا میں بسی خوشبو۔۔۔ نم سی ہوا اور پیروں کے نیچے آنے والے سوکھے پتوں کا شور۔۔۔

کیا پر سکون پر فضا اور رومانوی سی جگہ تھی۔ مری' وہ شہر جہاں آکر بندہ خوش کن خیالوں میں کھو جاتا ہے۔ اس پر بھی اس جگہ کا جادو چل گیا تھا۔

جیسے ہی وہ ریسٹ ہاؤس کے استقبالیہ پر پہنچا۔

واؤ۔۔۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

اتنا شاندار ریسٹ ہاؤس وہ بھی سرکار کے خرچ پہ ۔۔۔ عیش تو اسے کہتے ہیں وہ بڑی ترنگ میں اندر آیا تھا۔ ریزرویشن ہو چکی تھی۔ ملازم اسے کمرہ دکھا کر جا چکا تھا اور اب وہ اپنے کمرے سے باہر کا نظارہ کر رہا تھا۔

اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ وہ فریش ہونے کے لیے باتھ روم گیا تھا اور جب وہ باہر آیا تو اس کے اچھے اور خوشگوار موڈ کا ستیاناس ہو چکا تھا۔ مری کی ٹھنڈ میں کوئی بھی ٹھنڈے پانی سے نہانا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کوئی آئرن مین نہیں تھا اور نہ ہی اس کا ارادہ خود کو نمونیہ کروانے کا تھا۔

نہایت ہی بگڑے ہوئے موڈ کے ساتھ وہ نیچے آیا تھا۔ پہلے اس کا ارادہ Receptionist سے بات کرنے کا تھا پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو ایک آفیسر ہے ایک معمولی سے فرد سے کیوں بات کرے اور پھر جلد ہی اس نے CEO کا آفس ڈھونڈ نکالا۔ اس آفس کو دیکھتے ہوئے ایک دفعہ پھر سے اس کے دماغ کو گرمی چڑھنے لگی۔ اتنے اسٹینڈرڈ کا ریسٹ ہاؤس۔۔۔ اتنے زیادہ چارجز اور باتھ روم میں گرم پانی تک نہیں پیون کے روکنے کے باوجود اس نے دھاڑ سے دروازہ کھولا تھا۔

آفس میں موجود ہستی نے چونک کر سر اٹھایا اور اس ہستی کو دیکھ کر آفیسر صاحب کے ابلتے ہوئے دماغ پہ جیسے ٹھنڈا پانی گرا تھا۔

"میڈم! میں نے ان کو روکنا چاہا مگر۔۔۔" پیون بے چارگی سے بولا تھا۔

"کوئی بات نہیں بابا! اب لوگوں کو زبردستی تمیز تو سکھائی نہیں جا سکتی آپ جائیے۔" اس نے پیون کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

"مائے گاڈ!۔۔۔ کس قدر روڈ تھی وہ لڑکی۔" اسے رہ رہ کر غصہ آیا تھا۔

وہ جو دروازہ کھلنے پہ CEO کے طور پر کسی بزرگ کی موجودگی متوقع کر رہا تھا۔۔۔ ایک ینگ لڑکی کو دیکھ کر ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ مگر اب۔۔۔ وہ دانت پیستے ہوئے اندر آیا تھا اور زور سے دروازہ بند کر کے اس بات کا ثبوت دیا تھا کہ واقعی لوگوں کو تمیز نہیں سکھائی جا سکتی تھی عائشہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی بلکہ وہ لیپ ٹاپ پہ مصروف تھی۔

"تشریف رکھیے!" اس کے ٹیبل کے پاس آکر رکنے پہ عائشہ نے دیکھے بغیر کہا تھا جواباً" اس نے زور سے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گیا۔

"فرمایئے!" وہ اسی طرح سے لیپ ٹاپ پہ مصروف تھی۔

"اتنے زیادہ چارجز غالباً" آپ سہولیات مہیا کرنے کے لیتے ہیں۔" وہ کھا جانے والی نظروں سے اس کریم کلر کے عبایا اور ڈارک کلر کا اسکارف لیے لڑکی کو گھور رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سادہ تھا۔

"روم نمبر کیا ہے آپ کا؟" اس کی اتنی بدتمیزی پہ یقیناً" عائشہ کو بھی غصہ آ رہا تھا مگر پھر بھی وہ تحمل سے بات کر رہی تھی۔

"302" اس کے بتانے پہ عائشہ کے ہاتھ تیزی سے لیپ ٹاپ پہ حرکت کرنے لگے تھے۔

"علی تبریز، ڈسٹرکٹ آفیسر (فارسٹ) لاہور۔۔۔" ڈیٹا اس کے سامنے تھا اور مسئلہ بھی اسے سمجھ آگیا تھا۔

"کس بات کے چارجز لیتے ہیں آپ؟ جب ایک گرم پانی کی سہولت تک نہیں مہیا کر سکتے حد ہے۔۔۔" آفیسر صاحب اپنی آفیسری جھاڑنا شروع ہو چکے تھے۔

عائشہ نے بے ساختہ ٹھنڈا سانس بھرا اور بیل بجائی۔ چند لمحوں بعد علی کو محسوس ہوا کہ وہ پاگلوں کی طرح خود ہی بولے جا رہا تھا۔ جسے وہ سنا رہا تھا اس پہ تو کوئی اثر ہی نہیں تھا۔

بیل بجانے کے بعد عائشہ دونوں ہاتھوں ایک دوسرے میں پھنسائے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہمدانی صاحب کو بلایئے بابا!"

"ایکسکیوزمی!" علی نے ٹیبل بجا کر اسے متوجہ کیا تھا۔ بے ساختہ برہم ہو کر اس نے علی کو دیکھا تھا وہ بس اک نظر تھی لاشعوری سی۔۔۔ اس کی آنکھیں علی کو بے ساختہ پچھتاوا ہوا وہ آنکھیں جھکی ہوئی اچھی تھیں۔ عجیب سی کشش تھی ان آنکھوں میں۔

"آپ ہر ایک کو اتنے ہی برے طریقے سے ڈیل کرتی ہیں۔" وہ بولا تو اس کے لہجے میں اب پہلے جیسی تیزی نہیں تھی۔

اسی لمحے ہمدانی صاحب دستک دے کر اندر آئے تھے وہ اب بھی علی کی طرف متوجہ تھی اور نہ ہی اس نے جواب دیا تھا۔

"ہمدانی صاحب ڈی او صاحب کو کس نے روم نمبر 302 الاٹ کیا ہے۔ آپ کو معلوم بھی ہے اس روم کا سینٹری پرابلم ہے پھر بھی یہ روم الاٹ کر دیا گیا۔" اس کا لہجہ سخت تھا۔

"سوری میڈم! مجھے لگتا ہے کہ یہ ریسیپشنسٹ کی غلطی کی وجہ سے ہوا ہے۔"

"آپ فوراً" سے پہلے آفیسر صاحب کا پرابلم حل کروایئے۔ ان کو دوسرا روم الاٹ کریں اور ان کا سامان اس روم میں خود اپنی نگرانی میں شفٹ کروایئے گا۔" علی مسلسل اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"اور ہاں ہمدانی صاحب!" ہمدانی صاحب جاتے جاتے مڑے تھے۔

"یہ تسلی کر لیجیے گا کہ اس کے واش روم میں گرم پانی آتا ہو آپ خود چیک کیجیے گا بلکہ ایسا کیجیے گا کہ سب کچھ اچھی طرح چیک کرنے کے بعد انہیں اس روم میں شفٹ کیجیے گا ورنہ پھر آفیسر صاحب کو (اپنی آفیسری جھاڑنے کے لیے) میرے آفس آنے کی زحمت ہو گی۔" آفیسری جھاڑنے والے الفاظ اس نے دل میں کہے تھے۔

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"جی بالکل ٹھیک میڈم۔" ہمدانی صاحب کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"تکلیف کے لیے معذرت خواہ ہیں دراصل اس ہوٹل میں انسان کام کرتے ہیں اور انسانوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ بے شک ہم چارجز زیادہ لیتے ہیں مگر پھر بھی ہم ایلینز یا پھر جنوں کو ہائیر نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ پھر بہت معذرت۔۔۔" بات کرتے ہوئے وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہی تھی اور یقیناً" وہ نرم لہجے میں ہی بات کر رہی تھی۔ یہ الگ بات کہ علی کو الفاظ کسی پتھر کی طرح ہٹ کر رہے تھے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اسے اندازا ہوا تھا کہ ہر کسی پہ اپنی آفیسری نہیں جھاڑی جا سکتی تھی۔ کیا کہے اب وہ۔۔۔

"شکریہ۔۔۔!" وہ اٹھ کر جانے کے لیے مڑا تھا۔

"ایکسکیوز می ڈی او صاحب۔" بے ساختہ وہ مڑا تھا۔

"ہر روم میں انٹرکام کی سہولت موجود ہے اگر آپ اسے استعمال کرتے تو یقیناً" آپ کا مسئلہ حل ہو جاتا اور آپ کو یہاں آنے کی زحمت نہ کرنی پڑتی ہر کام کے لیے الگ الگ عملہ موجود ہوتا ہے۔ اب CEO کس کس مسئلے کو دیکھے؟"

"جی۔۔۔ جی بہتر۔" اس نے چبا کر کہا تھا۔ اور جاتے ہوئے زور سے دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔

"ایڈیٹ" بے ساختہ عائشہ کے منہ سے نکلا تھا۔

اتنے بڑے ریسٹ ہاؤس کے CEO کے طور پر کام کرنا عائشہ کے بس کی بات نہیں تھی وہ تو وہاں جنرل منیجر کے طور پر موجود ہوتی تھی۔ دادا کی صحت کی خرابی کی وجہ سے وہ ان کے کمرے میں موجود تھی۔ اس جیسے کئی آفیسرز اکثر ان کے ریسٹ ہاؤس میں آتے رہتے تھے۔ اسے عادت تھی اس جیسے آفیسری جھاڑنے والوں آفیسرز کو ڈیل کرنے کی۔

اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ان گورنمنٹ آفیسرز کی گردن میں سریا فٹ ہوتا ہے جو کہ ہر موقع پر انہیں اکڑ دکھانے پہ مجبور کرتا ہے۔ اور ان کی اکڑ کو چٹکیوں میں کس طرح اڑانا ہے اسے یہ بھی معلوم تھا۔ عائشہ کا رویہ یقیناً" اس سے بہت بہتر ہوتا اگر وہ بدتمیزی نہ کرتا۔

☆ ☆ ☆

ایک روم سے دوسرے روم میں شفٹ ہونے تک وہ حد سے زیادہ بے زار ہو چکا تھا ہمدانی صاحب کئی مرتبہ اس سے معذرت کر چکے تھے۔ ریسپشن پہ موجود جس لڑکے نے اسے روم کی چابیاں دی تھیں دراصل اس نے غلطی سے اسے روم نمبر 302 کی چابیاں دے دی تھیں جس کی وجہ سے یہ سارا مسئلہ ہوا تھا۔ وہ لڑکا بھی آکر اس سے معذرت کر چکا تھا مگر اس کے موڈ کا بیڑہ غرق ہو چکا تھا۔

آج شام اسے بابا کے ایک دوست سے بھی ملنے جانا تھا۔ کل اس کی میٹنگ تھی اور کل شام کو بہر حال اسے واپس لاہور کے لیے نکلنا تھا۔

موڈ نہ ہونے کے باوجود اس نے پہلے کال کر کے بابا کے دوست کو اطلاع کی تھی اور اب وہ وہاں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

پچھلی گرمیوں میں بابا مری آئے تھے یہیں پہ ان کی ملاقات اپنے کسی بہت پرانے اور اچھے دوست سے ہوئی تھی مسئلہ یہ تھا کہ اس دوست کی پوتی بابا کو بے حد پسند آئی تھی اور وہ اسے علی کے لیے پسند کر چکے تھے وہ اسی سلسلے میں وہاں جا رہا تھا۔ بابا نے اسے بتایا کہ ان کے دوست کے ہوٹلز تھے مری میں اور وہ کافی ویل آف تھے۔ ان کا تعلق بھی لاہور سے تھا مگر بابا نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کا ریسٹ ہاؤس بھی تھا جس میں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ عموماً" لوگ ریسٹ ہاؤس اور ہوٹلز میں زیادہ فرق نہیں کرتے۔ یہی بات تھی جو بابا نے بھی اسے ریسٹ ہاؤس کے متعلق نہیں بتایا تھا۔

غیاث احمد سے ملاقات بہت اچھی رہی تھی ان کی طبیعت کچھ خراب تھی مگر پھر بھی وہ بہت اچھے طریقے سے ملے تھے۔ غیاث احمد کا انداز (یہ جاننے کے باوجود کہ وہ وہاں کس لیے آیا تھا) بالکل بھی روایتی نہیں تھا۔ وہ علی کا پورا انٹرویو کر چکے تھے۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے

Scanned with CamScanner

کہ کوئی اپنی قیمتی چیز کسی کے حوالے کرنے سے پہلے پوری چھان بین کرتا ہے۔

"کہاں ٹھہرے ہو؟" چائے کے دوران غیاث احمد نے پوچھا تھا۔

"ایک پرائیویٹ ریسٹ ہاؤس ہے اس میں ٹھہرا ہوں۔" اسے بہرحال دادا کی پوتی سے ملنے کی جلدی تھی مگر یہاں پہ انٹرویو ہی ختم نہیں ہو رہا تھا۔

"گورنمنٹ کے تو اپنے ریسٹ ہاؤس موجود ہیں اور سرکاری آفیسرز کی رہائش کا خرچہ بھی گورنمنٹ ہی برداشت کرتی ہے پھر تم کیوں نہیں ٹھہرے وہاں؟" باوجود اس کے کہ چائے زیادہ گرم نہیں تھی مگر اسے لگا کہ چائے نے اس کا منہ جلا دیا۔ اسے فوری طور پر کوئی جواب نہیں سوجھا۔

"لوگوں کو کیا ہے کہ اپنی حلال کی کمائی کو چند ہزار کے لیے حرام بنا لیتے ہیں۔" ان کا انداز منہ پہ بات مارنے جیسے تھا۔ وہ یقیناً" سمجھ چکے تھے کہ وہ کیوں پرائیویٹ ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا تھا اور وہ دیکھے بغیر دادا کی پوتی کو ریجیکٹ کر چکا تھا پتا نہیں کیوں مگر غیاث احمد کے انداز نے اسے آج دوپہر کا واقعہ یاد دلایا تھا۔ اس لڑکی کا انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

"انکل کل صبح میری میٹنگ ہے اس کے بعد مجھے واپس بھی جانا ہے تو میرا خیال ہے اب میں چلتا ہوں۔" چائے کا کپ رکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"ایسے تو تم نہیں جا سکتے ___ کھانا تو کھا کر ہی جاؤ گے۔" علی کو جھٹکا لگا۔ کیا دھونس بھرا انداز تھا۔

"آؤ تمہیں میں گھر دکھاتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولے تھے۔

"انکل مگر وہ ___"

"کوئی اگر مگر نہیں ___ کم آن ینگ مین ___" آج کا دن ہی برا تھا۔ وہ یہاں سے جان چھڑانے کے چکر میں تھا اور وہ بوڑھا آدمی۔

"بوڑھے واقعی ___ خبطی ہوتے ہیں۔" وہ بڑبڑایا اور اٹھ کر ان کے پیچھے چل دیا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا اور باوجود اس کے کہ اسے اب اس بوڑھے شخص کی پوتی سے کوئی غرض نہیں تھی وہ شام تک وہاں رکا تھا اور غیاث احمد کی باتیں ___ وہ کافی دلچسپ تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ وہاں ٹھہرنے پہ مجبور ہوا تھا۔

گھر دکھانے کے بعد وہ اسے اپنی اسٹڈی میں لے گئے تھے۔ وہاں زیادہ تر اسلامی علوم، تفاسیر و احادیث کی کتابیں تھیں۔ اسے اپنے اور غیاث احمد کے درمیان جنریشن گیپ جیسی کوئی چیز محسوس ہوئی تھی اور نہ ہی ان کی باتوں سے اسے ایسا لگا تھا وہ اب اس سے اسی کے شعبے کے متعلق بات کر رہے تھے۔

"ماہرین کہتے ہیں کہ ہر ملک کا کم از کم 25 فیصد علاقہ جنگلات پہ مشتمل ہونا چاہیے کیوں ینگ مین ایسا ہی ہے نا؟" بولتے بولتے انہوں نے علی سے تصدیق چاہی تھی۔

"جی جی بالکل۔" اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور اب چائے کا ایک اور دور چل رہا تھا۔

"جنگلات کی بہت اہمیت ہوتی ہے کسی بھی ملک کے لیے۔ جتنے درخت زیادہ ہوں گے، مٹی اتنی زیادہ زرخیز ہوگی، ایگریکلچر ترقی کرے گا نتیجتاً" اکانومی مضبوط ہوگی اس کے علاوہ ماحول کے لیے بھی درخت کتنے ضروری ہوتے ہیں یہ مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے وہ PTV پہ ایک اشتہار بھی چلا کرتا تھا درخت لگائیے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

"جنگلات کی اہمیت سے ماہرین نے کتنا عرصہ پہلے آگاہ کیا ہوگا؟ مگر تم جانتے ہو یہی بات میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چودہ سو سال پہلے کہی تھی۔" وہ چونک کر سیدھا ہوا تھا۔ ایسی کوئی بات اس کے علم میں نہیں تھی۔

"درخت لگانا صدقہ جاریہ قرار دیا گیا کیوں؟" علی کے پاس سوال کا جواب نہیں تھا۔ "اسی لیے کہا گیا تھا کہ درختوں کی بہت اہمیت ہے انسانوں کے لیے، جانوروں کے لیے، ماحول کے لیے معیشت کے لیے ملک کے لیے ___ اور آج ماحولیات والے روتے

پھرتے ہیں کہ درخت لگاؤ' انہیں کاٹو نہیں وغیرہ وغیرہ وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ درخت لگاؤ اس لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صدقہ جاریہ قرار دیا ہے غور کرو ان لفظوں پہ ۔۔۔ یہ وہ چیز ہے جو انسان کے مرنے کے بعد بھی کام آتی ہے۔

ہم میں سے کون ہے جو یہ جانتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم وہ کام اس زندگی میں ضرور کریں جو مرنے کے بعد بھی فائدہ دینے والا ہو۔

ماہرین لوگوں کو درختوں کے سائنسی فوائد بتاتے ہیں۔ مگر اس کا سب سے بڑا فائدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ وہ بھی تب جب سائنس' جیسی کوئی چیز موجود نہیں تھی عرب میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس وقت کام آتی ہے جب انسان قبر میں ہوتا ہے؟ مگر اعمال اور اگر ان اعمال میں صدقہ جاریہ بھی شامل ہو تو کیا یہ کافی نہیں ہے۔۔۔؟"

بسکٹ کی پلیٹ اس کے آگے کرتے ہوئے وہ بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہے تھے۔

"اس بات سے تو ہر کوئی واقف ہے کہ درخت لگانا صدقہ جاریہ ہے مگر آج اس حدیث کا دوسرا رخ سمجھ میں آیا ہے۔" اس نے بسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"رخ ۔۔۔ نہیں حکمت ۔۔۔ دین کی باتوں میں حکمت ہوتی ہے۔ لوگ اس حکمت کو تلاش نہیں کرتے۔"

"اتنا وقت کس کے پاس ہے کہ وہ ایسی حکمتوں کو تلاش کرتے پھریں ۔۔۔ یہاں تو پانچ وقت نماز پڑھنا عذاب بنا ہوا ہے۔ سمیت میرے ۔۔۔" علی نے برجستہ تبصرہ کیا۔

اسی وقت ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تھی۔

"عائشہ آگئی؟" کھانے کی ٹیبل پہ بیٹھتے ہوئے انہوں نے ملازم سے پوچھا تھا۔

"جی! وہ تو کافی دیر ہوئی آچکی ہیں۔"

"بلاؤ اسے بھی کھانے پہ۔"

اور ملازمہ اسے بلانے چلی گئی تھی تو بالآخر پوتی صاحبہ سے ملاقات کرنے کا وقت آ ہی گیا تھا۔ بے ساختہ وہ الرٹ ہوا تھا۔ غیاث احمد نے کھانا شروع نہیں کیا تھا غالباً" وہ عائشہ کا انتظار کر رہے تھے۔

ملازمہ دستک دے کے اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی غیاث احمد کا پیغام اس نے عائشہ کو دیا تھا۔

"ہاں چلو!" وہ ملازمہ کے کہنے پہ شانوں پہ بلیک کلر کا دوپٹا پھیلا کر باہر جانے کے لیے بڑھی۔

"بیٹا! صاحب کے ساتھ مہمان بھی موجود ہے۔" ملازمہ نے کہا۔

"اچھا!" اسے حیرانی ہوئی۔ غیاث احمد اپنے مہمانوں کے سامنے اسے کم ہی بلایا کرتے تھے وہ مڑی اور شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر نماز کے سے انداز میں دوپٹا چہرے کے گرد لپیٹنے لگی۔ اس کا دوپٹا کافی بڑا تھا اور یوں لپیٹنے سے وہ اس کی آستینوں پہ گر رہا تھا گھر کی چپل اتار کر اس نے سوٹ سے میچنگ بلیک کلر کی سینڈل پہنی تھی اور پھر وہ ڈائننگ ٹیبل تک آئی تھی۔ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے مہمان کو سلام کیا تھا مگر سلام ادھورا ہی رہ گیا۔ اسے دھچکا لگا تھا اور بے ساختہ وہ حیران ہو کر علی کو دیکھنے لگی تھی۔

اور علی ۔۔۔ وہ سارا دن اس پوتی کے لیے خوار ہوا تھا ۔ اس کا بے اختیار اپنا سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔

"وعلیکم السلام۔" کچھ لمحے کے توقف کے بعد اس طرح سے جواب آیا تھا جیسے کہ حلق میں کوئی چیز پھنس گئی ہو۔ غیاث احمد کی آواز آئی تھی۔ "کھانا شروع کریں۔"

علی ۔ کھانے کے ساتھ ساتھ پوتی صاحبہ کا بھی بھرپور جائزہ لے رہا تھا۔

کھانے کے دوران ڈشز اسے عائشہ نہیں ۔۔۔ غیاث احمد سرو کر رہے تھے۔ وہ تو بس خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھی۔

"یہ جو اس ٹیبل پہ تم ڈشز دیکھ رہے ہو نا یہ سب ۔۔۔" عائشہ کا سانس رکا تھا۔ اس نے ناراض اور تنبیہی نظروں سے دادا کو روکنا چاہا تھا مگر ۔۔۔

"ملازمہ نے بنائی ہیں۔" قدرے توقف کے بعد وہ

Scanned with CamScanner

بولے تھے۔ علی کو کسی اور جملے کی توقع تھی اس بات پہ وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"بھئی ہماری پوتی صاحبہ کھانے پکانے کے معاملے میں بالکل کوری ہیں۔ اگر کبھی بنائے بھی تو۔۔۔"

"گرینڈ پا!" عائشہ کی ناراض آواز نے انہیں روکا تھا۔

غیاث احمد نے قہقہہ لگایا تھا علی نے اس کے خفا چہرے کو دیکھا عجیب پینڈو سی لڑکی تھی آج کل کی لڑکیوں جیسی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

"کیا اب وہ ایسی دقیانوسی بیوی کو لے کر سرکاری تقریبات میں جائے گا ذرا سا کاجل تک نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔"

بے ساختہ اس کی نگاہ اب عائشہ کے ہاتھوں پہ پڑی تھی۔ وہ صاف رنگت کے حامل تراشیدہ ناخنوں والے ہاتھ تھے۔ جن پہ کیوٹکس تک نہیں تھی خود کو یوں دوپٹے میں چھپایا ہوا تھا کہ جیسے نظر لگنے کا اندیشہ ہو یوں دیکھنے سے یہ ہی معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اگر وہ اسمارٹ ہے تو کتنی اسمارٹ ہے؟ اور پھر آج دوپہر کا واقعہ یکدم ہی اس کا دل اچاٹ ہوا تھا۔

"ینگ مین 'چائے لو گے کافی یا قہوہ۔" کھانا کھانے کے بعد غیاث احمد نے اس سے پوچھا تھا عائشہ اب ٹیبل سے برتن اٹھانے میں ملازمہ کی مدد کر رہی تھی۔

"نہیں انکل! کچھ بھی نہیں شام سے اتنی دفعہ چائے لے چکا ہوں کہ اب کسی چیز کی طلب نہیں۔"

وہ اتنی تمیز سے بات کر رہا تھا کہ عائشہ کو حیرت ہوئی۔ کیا یہی وہ شخص تھا جو کہ اس کے آفس میں اپنی آفیسری جھاڑنے آیا تھا۔

دادا اسے سی آف کرنے گئے تھے وہ علی کے یہاں آنے کے مقصد سے آگاہ نہیں تھی۔ وہ اسے بس دادا کا کوئی جاننے والا سمجھ رہی تھی۔

وہ جب واپس آئے تو اس نے آج دوپہر کا واقعہ من وعن انہیں بتایا تھا۔

"عائشہ! تم ریسٹ ہاؤس کا امیج خراب کردو گی۔ کچھ تو مارکیٹنگ کے اصول سیکھو۔ غلطی بہرحال تمہارے ملازم سے ہوئی۔۔۔ تمہیں سوری کرنا چاہیے تھا۔" وہ ناراض ہوئے تھے۔

"میں ضرور ایسا ہی کرتی اگر وہ اپنی آفیسری نہ جھاڑتا۔۔۔ وہ اگر انٹر کام پہ بھی اطلاع کر دیتا تو اس کا مسئلہ آرام سے حل ہو جاتا مگر نہیں ان گورنمنٹ آفیسرز کو بیماری لاحق ہوتی ہے ہر جگہ اپنی اکڑ دکھانے کی۔" وہ سر جھٹک کر بول رہی تھی۔

"تم جانتی ہو وہ یہاں کیوں آیا تھا اور میں نے تمہیں کیوں ملوایا اس سے؟"

"کیوں؟"

"تبریز کا بیٹا ہے وہ۔"

"اچھا تو؟"

"تو یہ کہ اس کا پرپوزل آیا ہے تمہارے لیے۔" اس بات پہ بے اختیار عائشہ خاموشی سے دادا کو دیکھنے لگی۔

"کیا تمہیں وہ پسند نہیں آیا؟" اس کی خموشی پہ غیاث احمد نے سوال کیا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ گرینڈ پا کہ میں ایسا کوئی رشتہ نباہ سکتی ہوں۔"

"حادثے زندگی کا حصہ ہوتے ہیں عائشہ؟"

"اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ حادثہ کیوں پیش آیا تھا۔" اس نے فوراً جواب دیا۔ بے ساختہ غیاث احمد نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"تمہیں شادی تو بہرحال کرنی ہے عائشہ۔"

"ہاں! کرنی ہے مگر ابھی نہیں۔۔۔ میں تب کروں گی جب مجھے محسوس ہو گا کہ اب میں اس قابل ہوں۔" وہ سر جھکائے مدھم لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے کوئی زبردستی نہیں مگر روز روز ایسے پرپوزلز نہیں آتے بیٹا!"

"پھر جیسے آپ کی مرضی گرینڈ پا!" کچھ لمحوں کے توقف کے بعد جواب آیا تھا۔ غیاث احمد خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے تھے جس میں اس کی مرضی شامل نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKISTANWEB.PK

"آج ـــ صبح سے اس کا موڈ جتنا خوش گوار تھا رات ہونے تک وہ اتنا ہی بد مزا ہو چکا تھا۔

پورے ڈھائی گھنٹے ایک بوڑھے شخص کی باتیں سننا وہ بھی ایک لڑکی کو دیکھنے کے چکر میں اور پھر۔

"اف ـــ لیکن کیا وہ بور ہوا تھا؟ ـــ" اس نے خود سے سوال کیا تھا۔ وہ بور نہیں ہوا تھا تو پھر کیا چیز تھی جو کہ اسے بے زار کر رہی تھی۔

انٹرکام سے اس نے کافی آرڈر کی اور پھر پردے ہٹا کر وہ مری میں اترتی رات کو دیکھنے لگا۔

اس کے ذہن میں بیوی کے طور پر جس لڑکی کا خاکہ تھا غیاث احمد کی پوتی اس پہ پوری نہیں اتری تھی۔ اسے یہ چیز بے زار کر رہی تھی۔ ایک شعوری سی بات ـــ پہاڑ کھودنے کے بعد چوہا نکلنے والا حساب ہوا تھا۔

کافی آچکی تھی اور اب کافی کا بھاپ اڑاتا مگ اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ ـــ ڈی۔ او (فارسٹ) ـــ اتنے ہینڈسم لکس کے ساتھ ایک ایسی لڑکی کے ساتھ شادی کر لے جسے بولنا تک ـــ یہاں آکر جیسے اس کے خیالات کو اسٹاپ لگا تھا۔

"کیا واقعی اسے بولنا تک نہیں آتا تھا۔" اس نے رک کر جیسے خود سے سوال کیا تھا غلط تھا ایسی تو کوئی بات نہیں تھی دوپہر کا واقعہ پھر سے تازہ ہوا تو پھر کیا تھا جو علی نے اس لڑکی کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔

"آج دوپہر کا واقعہ؟"

"چلو اس بات کو سائیڈ پہ اٹھا کر رکھ دیتے ہیں۔" کافی کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی نظریں باہر کی روشنیوں کو فوکس کیے ہوئے تھیں۔

"تو پھر ـــ"

"شادی کرنے کے لیے ایک لڑکی میں کیا ہونا چاہیے یا پھر کیا دیکھنا چاہیے۔"

"کردار، تعلیم، حسب نسب، شکل و صورت، اٹھنا بیٹھنا، اعتماد۔"

اس نے جیسے لسٹ بنانی شروع کر دی تھی۔

"کردار؟ ـــ ایک ملاقات میں نہیں جانچا جا سکتا مگر اندازا ضرور لگایا جا سکتا ہے۔"

وہ یقیناً" ایک اچھی لڑکی ہے۔ اس نے اندازا لگایا تھا۔

"تعلیم؟" وہ اس سے زیادہ تعلیم یافتہ تھی۔

"شکل و صورت ـــ اگر وہ دوپٹا یوں لپیٹنے کی بجائے گلے میں ڈال لیتی تو یقیناً" زیادہ بہتر لگتی بہرحال پھر بھی ایسی شکل و صورت نہیں تھی جسے رد کر دیا جاتا۔"

"اٹھنا بیٹھنا" ہاں یہی ایک بات اسے بے زار کر رہی تھی۔ وہ اسے کسی پچھلی صدی کی کوئی یادگار لگی تھی۔

حسب نسب اور اعتماد اسے چیک کرنے کی ضرورت نہیں تھی یہ دونوں چیزیں کسی اشتہار کی طرح اس کے ماتھے پہ چمکتی تھیں۔

تو وہ شخص اسے اس کے دقیانوسی ہونے پہ ریجیکٹ کر رہا تھا۔ ہاں تو ٹھیک ہے نا! کئی ایسی تقریبات ہوتی ہیں جن میں وہ ایسی بیوی کو لے کر نہیں جا سکتا تھا جسے فیشن کی الف ب تک کا پتا نہ ہو اور جو ہر وقت یوں دوپٹا لپیٹ کر ماسیوں جیسا حلیہ بنائے رکھتی ہو تو باقی ساری خوبیوں پہ اس ایک واحد چیز نے پانی پھیرا تھا۔ کافی کے آخری گھونٹ کے ساتھ وہ اسے مکمل طور پر ریجیکٹ کر چکا تھا۔

اس نے اب لیپ ٹاپ آن کیا تھا اور کل کی میٹنگ کے لیے نوٹس بنانے لگا تھا اس ریسٹ ہاؤس میں Wi Fi کی سہولت موجود تھی انٹرنیٹ استعمال کرتے ہوئے وہ فیس بک پہ بھی لاگ ان ہوا تھا۔ وہاں پہ اس کے کسی دوست نے ایک حدیث شیئر کی ہوئی تھی جس میں شادی کرتے وقت عورت کی دین داری کو فوقیت دینے کا کہا گیا تھا۔ بے اختیار وہ رک گیا۔

پتا نہیں کیوں مگر یکدم عائشہ کا چہرہ اس کے سامنے آیا تھا۔ "دین داری؟"

لیپ ٹاپ پر مصروف ہونے کے باوجود وہ الجھا ہوا تھا۔

اچھی بیوی کو دنیا کی بہترین نعمت کہا جاتا ہے۔

اسے ایک اور بات یاد آئی تھی۔

وہ ایک دفعہ پھر سے کھڑکی کی سامنے کھڑا تھا کون سی خوبی نہیں تھی عائشہ میں جو شادی کرنے کے لیے ایک لڑکی میں ہونی چاہیے ماسوائے اس کے وہ دین کو فالو کرتی تھی اور جس نے اس ایک چیز کو "خاص" بنا ڈالا

اور وہ حدیث؟ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی تھی۔
بے ساختہ اس نے اپنے منہ پہ ہاتھ پھیرا تھا وہ جیسا بھی تھا بہرحال مسلمان تھا اس کا اسلام جمعہ کی نماز تک ہی محدود تھا۔
"تو میرے نزدیک عورت کو پسند کرنے کا یہ معیار ہے کہ وہ گلے میں دوپٹا ڈال کر جسم کو نمایاں کرنے والے کپڑے پہن کر میرے ساتھ چلے؟ مجھے ایسی چیزیں پسند ہیں جو میرا دین میرے لیے پسند نہیں کرتا۔" تھوڑی دیر پہلے بنائی لسٹ میں محض ایک چیز کی بنیاد پہ اس نے عائشہ کو ریجیکٹ کیا تھا۔ دین داری کو خامی بنا ڈالا تھا اور جب وہ ۔۔۔ ایک حدیث پڑھتا ہے تو وہی خامی ۔۔۔ خوبی میں بدل جاتی ہے۔
"یا اللہ ۔۔۔ کیا واقعی میں اتنا بے غیرت ہو چکا ہوں؟ یا پھر میرے لیے اسلام صرف اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ جس سے میں شادی کروں۔ وہ کلمہ گو ہو۔" "کیا دین صرف کلمے کی حد تک ہے؟" سوال تھے کہ بڑھتے ہی جا رہے تھے اور وہ تھا کہ الجھتا جا رہا تھا۔
"میں ایسے کیوں سوچ رہا ہوں؟" یکدم وہ چونکا تو کیا یہ آج دوپہر کی باتوں کا اثر تھا۔
باقی سوالوں کی طرح اس سوال کا جواب بھی اسے نہیں ملا صرف خالی پن تھا۔

☆ ☆ ☆

عائشہ کی پانچ پھوپھیاں تھیں اور پھر ان کے بچے وہ لوگ سالوں بعد مری کا چکر لگا لیا کرتے تھے اب لاہور سے مری آنا کچھ اتنا مشکل بھی نہیں تھا لیکن غیاث احمد کی بیٹیاں اتنی خوشحال نہیں تھیں جتنا کہ غیاث احمد تھے۔ پچھلے کچھ عرصے سے اس کی پھوپھیوں اور کزنز کا آنا جانا بڑھ گیا تھا گو کہ وہ خاموش فطرت تھی شور اسے پسند نہیں تھا لیکن وہ اس کے رشتے دار تھے جنہیں بہرحال وہ برداشت کرتی تھی۔ دادا اور اس کا کام بری طرح سے متاثر ہوتا جب اس کے کزنز احمد ہاؤس میں موجود ہوتے تھے۔ ان ہی کزنز میں سے تیسری پھوپھو کا بڑا بیٹا نعمان اس کے نزدیک ہونے کی کوشش کرنے لگا تھا اور جلد ہی پھوپھو نے اس کا رشتہ بھی مانگ لیا تھا دادا جن رشتے داروں سے بچانے کے لیے اسے لاہور سے لے آئے تھے اور اب وہ ہی رشتے دار ۔۔۔ پاؤں کی زنجیر بنتے جا رہے تھے۔
انسان ہمیشہ ایسی ہی زنجیروں سے مجبور ہوتا ہے۔ وہ ان کی بیٹیاں تھیں۔ جن سے وہ کٹ نہیں سکتے تھے اور نہ ہی وہ اتنا عرصہ کٹ کر رہے تھے۔ وہ ہر موقع پر، ہر تہوار پہ انہیں یاد رکھتے تھے یہ الگ بات تھی کہ وہ خود یا پھر عائشہ بہت کم لاہور جاتے تھے۔ وہ بھی اس رشتے سے جو بیٹی کے باپ ہونے کے ناتے سے تھا مجبور ہوتے تھے۔
ان کا خیال تھا کہ ان کی بیٹی کا گھر عائشہ کے لیے بہتر رہے گا بجائے اس کے کہ وہ کسی غیر کے گھر جائے مگر ایسا کرتے وقت وہ صرف بیٹی کے باپ بن گئے تھے۔ وہ بھول گئے تھے کہ ان جیسے لوگوں سے بچانے کے لیے وہ عائشہ کو یہاں لے کر آئے تھے، وہ بھول گئے تھے کہ انہوں نے عائشہ کو اس کے باپ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔
انہیں لگا ایسا کرنے سے رشتے اور مضبوط ہوں گے۔ عائشہ کا ایک خاندان ہے اسے اسی خاندان کا حصہ رہنا چاہیے اور نعمان ۔۔۔ اکثر و بیشتر مری آیا رہتا تھا۔ انہیں اس میں ایسی کوئی خامی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اچھا اور سلجھا ہوا بچہ تھا اور پھر اچھے عہدے پہ فائز بھی تھا۔
غیاث احمد نے عائشہ کی مرضی پوچھی تھی اس نے سارا اختیار انہیں سونپا تھا اور یوں عائشہ کی منگنی، نعمان کے ساتھ ہو گئی تھی۔ وہ خوش تھے ۔۔۔ بہت خوش اور عائشہ، اس کے لیے یہ منگنی ایک معاہدہ کی طرح تھی۔

Scanned with CamScanner

عام لڑکیوں کی طرح اسے نعمان سے فون پہ لمبی لمبی باتیں کرنے کا کوئی شوق تھا اور نہ ہی اسے نعمان کے ساتھ گھومنا پھرنا پسند تھا۔ وہ اس کا منگیتر تھا شوہر نہیں اس کے دین نے اس کے لیے کچھ حدود وضع کی تھیں اسے ان حدود کی پیروی کرنا سکھایا گیا تھا۔ وہ صرف کام کی بات کیا کرتی تھی وہ بھی اشد ضرورت میں۔ نعمان کا بار بار کال کرنا اسے مشکل میں ڈال دیتا تھا اور تنگ آکر وہ فون آف کر دیتی تھی اور نعمان۔۔۔ وہ عائشہ کی طرح نہیں تھا وہ ایک عام لڑکا تھا جو کہ منگیتر کو ہی بیوی سمجھنا شروع کر دیا کرتے ہیں۔

عائشہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ ان فرمائشوں کو پورا نہیں کر سکتی تھی اور ان اعتراضات کو دور نہیں کر سکتی تھی جو کہ نعمان کو اس سے تھے۔

اور نعمان کوئی (نعوذ باللہ) خدا تو نہیں تھا جس کے کہنے پہ وہ۔۔۔ وہ سب کام کرتی جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ تب اس نے نعمان کے سامنے ایک ایک بات کھول کر رکھ دی تھی۔

"ٹھیک ہے! تمہیں ابھی یہ سب کرنا اچھا نہیں لگتا جائز نہیں لگتا۔ تو کوئی بات نہیں شادی کے بعد دیکھا جائے گا۔" دوسری طرف سے اس نے نعمان کی آواز سنی تھی۔

"شادی ایسا سرٹیفکیٹ نہیں ہے نعمان جس سے حرام حلال ہو جائے۔" اسے بے ساختہ غصہ آیا تھا۔

"میں جواب ہوں کل۔۔۔ شادی کے بعد بھی ایسی ہی رہوں گی تم مجھ سے ایسی کوئی توقع مت رکھنا اور اگر ایسی کوئی توقع تمہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ اس بات کو آج یہیں پہ ختم کر دو۔" نعمان اس کے منہ سے ایسی بات سن کر ششدر رہ گیا تھا۔

"تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو۔" اسے جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میں نے اپنی بات تم تک پہنچا دی ہے آگے تمہاری مرضی۔ میں آج تمہارے کہنے پہ خود کو نہیں بدل رہی تو کل کو شوہر کی حیثیت اختیار کرنے کے بعد بھی نہیں بدلوں گی۔" عائشہ نے جیسے اسے باور کرایا تھا کہ اسے معلوم ہے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"تم!۔۔۔" نعمان کو بے ساختہ تاؤ آیا تھا۔

"ہو کیا تم؟ اسی باپ کی اولاد جس نے صرف ملک سے باہر جانے کے لیے اپنا دین بدل لیا تھا اور آج تم بڑی دین دار بن رہی ہو۔ تمہیں لگتا ہے اس طرح کرنے سے تمہاری شناخت بدل جائے گی ارے ہو گی تو تم مرتد کی بیٹی۔

عائشہ ارسلان احمد۔" اس لڑکی کو نہیں معلوم تھا کہ دکھ کیا ہے غم کیا ہوتا ہے اور دل پہ چوٹ پڑے تو کیسے سہی جاتی ہے۔

کیا۔۔۔ کہا تم نے؟" وہ ٹھہری۔۔۔ جیسے سانس ہی ٹھہر گیا ہو اور پھر بڑی تیزی سے اس نے سوال کیا تھا۔

"وہی کہا جو تم نے سنا۔۔۔ تمہارا باپ مرتد تھا کافر تھا اور تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے کوئی رشتہ بنایا جا سکے۔

کون سی لڑکی ایسے زندگی گزارتی ہے؟ تم سائیکیک ہو۔۔۔ ساری عمر اکیلے رہ رہ کر تمہیں معلوم ہی نہیں رشتے بنائے کیسے جاتے ہیں اور انہیں نبھایا کیسے جاتا ہے۔"

اور اس نے جیسے "تمہارا باپ مرتد" تھا کے الفاظ کے بعد کچھ سنا ہی نہیں تھا کچھ تھا جو کہ پگھل کر اس کی آنکھوں سے باہر آیا تھا۔ سیل اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور اس نے اپنے گالوں کو انگلی سے چھوا تھا۔ انگلی کی پور نم ہو گئی۔

"دادا۔۔۔" وہ جیسے چیخی۔۔۔ اور پھر وہ چیخ چیخ کر روئی تھی اور روتے روتے بتایا تھا دادا سکتے میں آئے تھے ساری عمر جس چیز سے انہوں نے عائشہ کو بچایا تھا وہ سامنے آئی تھی۔

"کیا لوگ اتنے ظالم ہوتے ہیں۔۔۔؟

لیکن وہ لوگ تو نہیں تھے ان کے اپنے تھے۔"

عائشہ کا سر سینے سے لگاتے ہوئے وہ اسے آہستہ آہستہ تھپک رہے تھے۔

"بس بچے صبر کرتے ہیں اس طرح روتے نہیں۔"

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTANWEB.PK

گرینڈ پا۔۔۔ میرا باپ۔۔۔ آپ نے بتایا کیوں نہیں۔" وہ ان سے الگ ہوئی اسے شکوہ تھا، غم تھا۔ دادا نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

یکدم ملنے والی خوشی ہی انسان کو پاگل نہیں کرتی یکدم ملنے والے دکھ بھی ہوش و حواس قائم نہیں رہنے دیتے۔

"میں ایک مرتد کی بیٹی ہوں۔۔۔ میں ایک۔۔۔ یا اللہ میں مر کیوں نہیں گئی۔۔۔ یا اللہ یہ کیسا عذاب ہے؟؟"

عائشہ ارسلان احمد ہوش و حواس میں نہیں تھی۔

"عائشہ۔" انہوں نے نرمی سے پکارا مگر وہ سن ہی کب رہی تھی۔۔۔ وہ اونچی آواز سے روئے جارہی تھی اور بولے جارہی تھی۔

"عائشہ!" آواز پہلے سے ذرا اونچی ہوئی تھی۔ کندھوں سے پکڑ کر انہوں نے اسے زور کا جھٹکا دیا تھا۔

وہ سہم کر چپ ہوئی تھی مگر آنسو بہہ رہے تھے۔ غیاث احمد خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا باپ کافر نہیں تھا؟" انہوں نے سوال کیا۔

"باپ کے مرتد ہونے کا ٹیگ بیٹی پہ نہیں لگ سکتا اس کے اعمال اس کے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے تم اپنے باپ کے کسی بھی عمل کی ذمہ دار نہیں ہو بس بات ختم آج کے بعد میں تمہیں اس بات کے لیے روتا نہ دیکھوں۔" ان کا لہجہ سخت اور حتمی تھا۔

وہ اسے یوں ہی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وہ خاموشی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی اس کے بعد وہ روئی تو نہیں تھی مگر خوف اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا کون تھا جو یہ جاننے کے بعد کہ اس کا باپ مرتد تھا اسے اپناتا؟۔۔۔

غیاث احمد نے اسے تو رونے سے منع کر دیا تھا مگر وہ خود کو نہ روک سکے تھے۔ اس عمر میں ملنے والا دکھ۔۔۔ تبھی انہیں پہلا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

ان حالات میں عائشہ اکیلی نہیں تھی اس کی پھوپھیاں تھیں اس کے پاس مگر پھر بھی۔۔۔ اتنے سارے لوگوں کے ہجوم میں۔۔۔ اتنی ساری تسلیوں کے درمیان میں بھی اس نے خود کو یوں اکیلا محسوس کیا تھا جیسے کہ وہ لاوارث ہوا سے ان ڈاکٹرز پہ بھروسہ نہیں تھا جو کہ اس کے دادا کا علاج کر رہے تھے، نہ ہی اسے ان مشینوں پہ اعتبار تھا جو کہ اس کے دادا کے جسم کے ساتھ منسلک تھیں۔ اس کا اعتبار۔۔۔ اس کا یقین صرف ایک ذات پہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اللہ اسے یوں کبھی تنہا چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ اسے معلوم تھا کہ اللہ جانتا ہے اسے دادا کی کتنی ضرورت ہے۔ اور اللہ انسان کو وہ ہی دیتا ہے جیسا بندہ اس سے گمان کرتا ہے۔

غیاث احمد کی صحت بحال ہو گئی تھی وہ آہستہ آہستہ ہی سہی مگر رو بہ صحت تھے۔ بیماری سے تو انسان گزر ہی جاتا ہے مگر غم۔۔۔ یہ کسی بیماری کی طرح انسان کو لگ جاتا ہے۔۔۔ اب اسے کیسے جھیلا جائے۔۔۔

☼ ☼ ☼

"کیسی لگی تمہیں عائشہ؟؟" وہ جس دن سے مری سے واپس آیا تھا اس سوال کی توقع کر رہا تھا۔ عجیب بات تھی وہ اس سوال سے بچنا چاہ رہا تھا۔ کیونکہ وہ اسے اپنانے یا رد کرنے میں متامل تھا۔ وہ الجھا ہوا تھا

—

ابھی بھی وہ تبریز صاحب کے سوال کرنے پہ خاموش ہوا تھا۔

"کیا بات ہے علی؟" اور اس سوال پہ بے ساختہ علی نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"ابو ابھی میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔۔۔ میں تھوڑا کنفیوژ ہوں۔"

"کیا کنفیوژن ہے؟"

"باقی سب تو ٹھیک ہے۔۔۔ مگر وہ کچھ دقیانوسی ہے۔ جیسا طرز زندگی اس کا ہے۔۔۔ ایسے تو زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔" اس کی بات سن کر تبریز صاحب خاموش ہوئے تھے۔

"ٹھیک ہے علی تبریز۔۔۔ تم اس نعمت کے قابل ہی

WWW.PAKISTANWEB.PK

نہیں تھے۔" انہیں جیسے بے حد افسوس ہوا تھا۔ اور علی۔۔۔ اسے ان کی بات کسی کوڑے کی طرح لگی۔

"کیا بات کر رہے ہیں ابو؟ میں آج اگر شادی کے لیے باہر نکلوں تو لڑکیوں کی لائن لگ جائے۔۔۔ جس لڑکی پہ ہاتھ رکھوں وہ اسے اعزاز سے کم نہ سمجھے اور آپ کہتے ہیں میں اس کے قابل نہیں۔۔۔" اسے تاؤ ہی آگیا۔

"ہاں! لگ جائے گی لڑکیوں کی لائن۔۔۔ کیونکہ وہ سب بھی تمہارے جیسی لڑکیاں ہوں گی۔"

"میرے جیسی؟" اسے باپ کی بات نے حیران کیا۔

"وہ آیت کبھی سنی ہے نیک عورتیں' نیک مردوں کے لیے۔۔۔" انہوں نے سوال کیا مگر وہ نا سمجھی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

عائشہ ایک نیک عورت ہے علی تبریز۔۔۔" اور پھر جیسے اسے اطلاع دی گئی تھی اسے ایک دھچکا لگا۔ تو کیا اس کا باپ اسے اچھا نہیں سمجھتا؟ اس نے تاسف سے اپنے باپ کو جاتے دیکھا اف یو زچلا تا۔۔۔ چھوٹا موٹا ہیر پھیر کرنا۔ کسی کا کوئی کام کروانا اور بدلے میں تحائف لینے کو رشوت نہ سمجھنا۔۔۔ سرکاری فون سے لمبی لمبی پرائیویٹ کالز کرنا۔ کبھی کبھی جمعہ کی نماز پڑھ لینا اور قرآن کو تو ہاتھ لگاتا وہ ایسے سمجھتا تھا جیسے کہ قرآن کا ادب مجروح ہو جائے گا۔

سرکاری گاڑی کا پرائیویٹ استعمال اور پھر لاگ بک میں ہیرا پھیری۔۔۔ اور جھوٹ بولنا تو جیسے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اپنے برابر کے گورنمنٹ آفیسرز کی ٹانگ کھینچنا۔ یہ سب اور ان جیسے دوسرے معاملات ۔۔۔ یہ تو زندگی کا حصہ تھے اور انہیں ہر کوئی۔۔۔ کسی نہ کسی طریقے سے اپنی زندگی میں شامل رکھتا ہے۔

اب اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو گیا تھا کہ وہ نیک نہیں رہا تھا۔ کوئی بھی انسان مکمل نہیں ہوتا۔

اس کے دل پہ چوٹ پڑی تھی۔ اس کا باپ اسے ایک عام سی لڑکی کے قابل ہی نہیں سمجھتا تھا۔ اس کی انا بلبلا اٹھی۔ اور پھر جیسے وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ ہو گیا تھا۔ اسے صرف عائشہ احمد سے شادی کرنا تھی۔

"تبریز! میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں مگر مسئلہ یہ ہے کہ عائشہ ابھی راضی نہیں۔" غیاث احمد نے تبریز کے فون کرنے پہ جواب دیا تھا۔

"مسئلہ کیا ہے؟" تبریز صاحب کو اس انکار سے افسوس ہوا تھا۔

"اتنا خاص نہیں ہے۔۔۔ بس اسے کچھ وقت چاہیے۔"

"اچھا! میں تو۔۔۔"

"تبریز! تم علی کو کہنا کہ جب کبھی مری آئے تو مجھ سے ضرور ملے۔۔۔ میں اس سے کچھ باتیں ڈسکس کرنا چاہتا ہوں ہو سکتا ہے بہتری کی کچھ گنجائش نکل آئے۔"

وہ تبریز صاحب کی بات کاٹ کر بولے تھے۔

"غیاث احمد۔۔۔ میری خوش قسمتی ہو گی کہ عائشہ میری بہو ہے میں ضرور کہوں گا علی سے۔"

"بہت شکریہ!"

"یہ تو اب شرمندہ کرنے والی بات ہوئی نا غیاث احمد۔" انہوں نے فون کے دوسری طرف تبریز کی ناراض آواز سنی تھی۔ وہ ہلکا سا ہنسے تھے اور پھر رسمی کلمات کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اف! یہ بجلی کا مسئلہ پتا نہیں کب حل ہو گا۔" بجلی جانے پہ وہ تپا تھا۔ عائشہ مسکرائی۔ اس کے بات ختم کرنے کی دیر تھی کہ ساتھ ہی جنریٹر آن ہو گیا اور اب یہ جنریٹر کا شور۔۔۔ اسے اب اس پہ بھی اعتراض تھا عائشہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں غصہ نہیں آتا کیا؟" علی نے اس کے سکون کو دیکھ کر سوال کیا۔

"غصہ کرنے سے کیا ہو گا؟ ہمارے مسئلے ختم ہو جائیں گے کیا؟" الٹا سوال آیا تھا۔ علی ایک لمحے کے لیے چپ ہوا۔

"ہاں! اب تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ اس ملک کے

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

حالات بہتر کرے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ علی کی بات پہ چونکی تھی۔ اسے جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

"آپ کو پتا ہے انرجی کی کتنی فارمز ہیں علی؟" علی نے اس سوال پہ حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ کیا اس کا ٹیسٹ لے رہی تھی یا پھر وہ کوئی ففتھ گریڈ کا بچہ تھا جس سے ایسا سوال کیا جائے۔

"کیا مطلب؟"

"آپ جواب دیں۔۔۔ مطلب بعد میں سمجھاؤں گی۔"

"یہی الیکٹریکل، کیمیکل وغیرہ۔"

"آپ کو معلوم ہے انرجی کی ایک فارم ایسی بھی ہوتی ہے جسے کوئی نہ پڑھتا ہے نہ لکھوا تا ہے۔" اسے عائشہ کی باتیں الجھا رہی تھیں۔

"تم آخر کہنا کیا چاہتی ہو۔۔۔" اس نے فوراً کچھ کہنا چاہا تھا مگر یکدم وہ چپ ہو گئی تھی۔

"آپ بور ہوں گے!"

"نہیں میں بور نہیں ہوں گا۔"

"شیور؟"

"شیور! بلکہ میں تو دنیا کا واحد شخص ہوں گا جو کہ کسی عورت کے بولنے پہ خوش ہو گا۔"

عائشہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر نظریں جھکا کر بولی۔

"جب میں چھوٹی تھی تو دادا نے مجھے بہت سی چیزیں سکھائیں۔۔۔ اصل میں انہوں نے مجھے دین کے مطابق چلنا سکھایا ہے۔ وہ اکثر مجھ سے مشکل مشکل باتیں کیا کرتے تھے جو تب تو مجھے سمجھ میں نہیں آتی تھیں مگر آج میں ان کو سمجھنے کے قابل ہوں۔" وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی اور علی بازو صوفے پہ ٹکائے بند مٹھی پہ چہرہ ٹکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دادا کہا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے دین کی باتوں کی سائنٹیفک طریقے سے تصدیق کرنی چاہیے۔۔۔ حکمت! جسے مومن کی گمشدہ میراث کہا گیا ہے وہ دراصل وہ لاجک ہی ہے جو کہ اسلام کی باتوں۔۔۔ اس کے احکامات میں ہے۔ جس طرح آج میں نے آپ سے انرجی کی فارمز پوچھیں اس طرح دادا نے بھی مجھ سے سوال کیا تھا اور میں نے بھی وہ ہی کہا تھا جو آج آپ نے کہا۔ اس نے ذرا سا سر جھٹکا تھا۔

"اور پھر دادا نے مجھے بتایا کہ انرجی کی ایک اور فارم بھی ہوتی ہے اور اس فارم سے ہمیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آگاہ کیا جو چودہ سو سال پہلے ایک عرب قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ مجھے دادا کی بات عجیب لگی۔ اور آج یہ بات کسی بھی دوسرے شخص کے لیے عجیب ہو سکتی ہے مگر میرے لیے نہیں۔۔۔ آپ جانتے ہیں انرجی کی وہ فارم کیا ہے؟" اس نے سر اٹھا کر علی کو دیکھا علی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دعا!" اور پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولی تھی۔ علی چونکا تھا۔

"دعا؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں! دعا۔۔۔ دادا کہتے ہیں کہ دعا بھی انرجی کی ایک فارم ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ دعا تو اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کا نام ہے اور بس۔۔۔"

"اور آپ جانتے ہیں یہ تعلق کیسے بنتا ہے؟ دعا کیسے اللہ تک پہنچتی ہے۔" ظاہر ہے علی کے پاس جواب نہیں تھا۔

"آپ ذرا دعا کے فلسفے کو کچھ لمحوں کے لیے دین سے الگ کریں اور اس کا سائنسی پہلو دیکھیں۔۔۔ سائنس کہتی ہے ہر وہ چیز جسے زمین سے فضا میں جانا ہے اسے انرجی چاہیے جیسے کہ جہاز۔۔۔ اسے اڑنے کے لیے فیول چاہیے ہوتا ہے جس سے وہ اتنی پاور حاصل کرتا ہے کہ وہ اڑ سکے جیسے کہ راکٹ۔۔۔ شٹل وغیرہ۔ سب کو پاور چاہیے۔۔۔ انرجی چاہیے وہ طاقت کے بل پر زمین سے فضا تک اور پھر خلا تک پہنچ سکتے ہیں تو پھر آپ اس بات کو کیسے صحیح ثابت کریں گے کہ آپ کی دعا 'بغیر کسی قوت کے' بنا کسی طاقت کے ساتویں آسمان تک جا پہنچتی ہے؟ اور سائنس وہ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

روحانیت کو نہیں مانتی وہ ہر چیز کے ہونے کا جواز۔۔۔ لاجک مانگتی ہے۔۔۔

تب آپ کیسے ثابت کریں گے اپنے دین کو۔۔۔ اس کی باتوں کو۔۔۔ مان لیں کہ دعا بھی ایک قسم کی انرجی ہے بھی تو یہ سفر کرتی ہے زمین سے آسمان تک۔۔۔ اس کے علاوہ کیا دلیل دیں گے آپ دعا' کے زمین سے آسمان تک جانے کی؟۔۔۔"

"مشکل ہے۔۔۔ بہت مشکل۔" علی تبریز نے سر جھٹکا تھا۔

"چلیں ہم! ایک اور طرح سے دیکھتے ہیں، بہت پہلے سمندر پار لوگوں سے کمیونیکیشن کا ذریعہ خط تھا' ڈاک خانے بنائے گئے چست و تیز رفتار گھوڑے مہیا کیے گئے تاکہ فاصلے کو کم وقت میں جلدی طے کیا جاسکے پھر انسان نے ترقی کی اور تار آیا۔۔۔ پھر ٹیلی فون اور اب یہ سیل۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا سیل علی کو دکھایا۔

"ٹیلی فون سے کمیونیکیٹ کرنے کے لیے تار کی ضرورت ہے اور موبائل نے اس کا جھنجھٹ بھی ختم کر دیا۔ آپ غور کریں علی! گھوڑے ہوں' ٹیلی فون ہو یا سیل ان سب میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ ہے تیز رفتاری۔۔۔ آپ اپنے سیل سے ایک نمبر ڈائل کرتے ہیں سات سمندر پار دنیا کے ساتویں کونے میں موجود دوسرا شخص دوسری ہی بیل پہ کال ریسیو کرتا ہے وہ ہیلو کہتا ہے تو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں آواز آپ کو سنائی دیتی ہے۔۔۔ آپ اسے ٹیکنالوجی کہتے ہیں میں اسے اللہ کے مخفی اسرار کہتی ہوں جسے انسان دن بہ دن کھوجتا جا رہا اور اسے ہم کہتے ہیں ٹیکنالوجی کی ترقی۔۔۔ فون کے اسپیکر میں آپ بولتے ہیں۔۔۔ آواز الیکٹریکل سگنل میں بدلتی ہے یہ سگنلز سفر کرتے ہوئے دوسرے شخص تک جب پہنچتے ہیں تو ریسیور کے ذریعے پھر آواز میں بدل جاتے ہیں۔ بنیادی طور پہ آپ کا پیغام الیکٹریکل سگنلز کی شکل میں سفر کرتا ہے۔۔۔ الیکٹریکل انرجی کی فارم ہے۔

دعا کا بھی یہی حساب ہے آپ کے منہ سے نکلے لفظ کسی انرجی میں بدلتے ہیں اور پھر وہ تیزی سے سفر کرتے ہوئے ساتویں آسمان تک جا پہنچتے ہیں۔ یہ الگ بات نہ آپ کو اسپیکر کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اللہ کو ریسیور کی۔۔۔ یہ تیز ترین اور براہ راست رابطے جیسا ہے۔۔۔ انسان دن بہ دن تیز سے تیز ترین ٹیکنالوجی کی تلاش میں ہے اور اس دنیا میں سب سے تیز چیز جو سفر کرتی ہے وہ لائٹ ہے۔ جو کہ بذات خود انرجی ہے۔

دنیا میں کوئی چیز نہیں جو کہ روشنی جیسی تیز رفتار ہو بجز دعا کے اور یقیناً" یہ انرجی ہی ہے اور یہ اس سے کہیں زیادہ رفتار سے سفر کرتی ہے جتنا کہ روشنی' معراج کا واقعہ سنا ہوگا آپ نے۔" اس نے رک کر سامنے ٹیبل پہ پڑے جگ میں سے پانی انڈیلتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں!"

"براق کا نام بھی سنا ہوگا؟" اس نے ایک گھونٹ پانی پینے کے بعد پوچھا تھا۔

"سنا ہے۔"

"وہ کتنا تیز رفتار تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پلک جھپکنے میں آسمان تک لے گیا۔ براق جیسی تیز رفتاری اس دنیا کی کسی بھی چیز میں نہیں ہے مجھے لگتا ہے اس جانور کی تیز رفتاری بھی کوئی ٹیکنالوجی ہے آنے والی صدیوں میں ہو سکتا ہے انسان اس ٹیکنالوجی اس اسرار کا راز بھی پالے۔ پھر اسے دعا کے انرجی ہونے والی بات بھی سمجھ آجائے گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مفہوم) کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قسمت کو بدل سکے، بجز دعا کے۔ دعا ایسی چیز ہے جو قسمت کو بدل دیتی ہے تو پھر یقیناً" یہ طاقت کا ایک خزانہ ہی ہوگی جو کہ قسمت جیسی چیز کو بھی بدل دیتی ہے۔

اللہ پھر کیسے اس مانگی جانے والی دعا کو رد کر سکتا ہے جس میں اتنی پاور ہو۔ اور پتا ہے دعا کا فیول کیا ہے، جو اسے اتنی پاور دیتا ہے؟" اس نے ایک بار پھر علی سے سوال کیا تھا اور علی پھر لاجواب ہوا تھا۔

"دعا اگر ٹریول کرتی ہے تو اسے فیول چاہیے اور یہ فیول ہوتا ہے آپ کا یقین۔۔۔ جتنا یقین زیادہ ہوگا۔۔۔ دعا اتنی ہی تیزی سے ٹریول کرے گی اور پھر اتنی ہی

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTANWEB.PK

جلدی قبول ہو جائے گی۔۔۔ علامہ اقبال نے بہت پہلے شعر کی شکل میں کہا تھا۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

"دل سے۔۔۔ مطلب۔۔۔ یقین۔

طاقت پرواز۔۔۔ مطلب "اڑنے کی سکت۔۔۔

اور طاقت کسے کہتے ہیں علی تبریز؟" چند لمحوں کی خاموشی ان دونوں کے درمیان آئی تھی۔ ایسی خاموشی جس میں انسان سانس بھی نہیں لینا چاہتا۔

"انرجی کو۔" اور پھر مسکرا کر اس نے کہا تھا۔

وہ خاموش تھا اس کے لیے عائشہ کی باتوں کو سمجھنا مشکل تھا۔ البتہ ایک بات ضرور اسے سمجھ آئی تھی۔ واقعی قسمت کو بدلنے والی چیز دعا کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔

تمام انسانوں کی قسمت یا تقدیر کا فیصلہ تب سے ہو چکا ہے جب اللہ نے یہ دنیا بنائی جو کچھ ہو گیا، ہو رہا ہے اور جو ہونا ہے اسے بدلنے کے لیے کوئی بھرپور طاقت جیسی چیز ہی ہونی چاہیے جو کہ ازل سے طے ہوئے فیصلے کو بدل دے اور وہ دعا کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے؟ وہ سوچ رہا تھا اس کے دماغ میں بہت سی باتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

"مگر عائشہ بہت سی ایسی دعائیں ہیں جو کہ قبول نہیں ہوتیں۔" اچانک اس نے سوال کیا۔

"نہیں علی، کوئی دعا ایسی نہیں ہوتی جسے ہم کہہ سکیں کہ وہ قبول نہیں ہوئی بعض اوقات ہم اپنی دعاؤں میں ایسی چیز مانگ لیتے ہیں جو ان حالات اور وقت میں مناسب نہیں ہوتی تو پھر اس دعا کو مناسب وقت تک ٹال دیا جاتا ہے اور کبھی ہم ایسی چیز مانگ لیتے ہیں جو کہ سراسر ہمارے لیے غلط ہوتی ہے تو پھر کیا اللہ سے آپ کو توقع ہے کہ وہ آپ کے لیے کچھ غلط ہونے دے گا اور آپ شکوہ کرتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی اور پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ وہ بھی مانگ لیتے ہیں جس کے آپ اہل نہیں ہوتے تو تب اللہ آپ کو پہلے اس چیز کے قابل بناتا ہے اور پھر عطا کرتا ہے۔ اور انسان کا وہ ہی شکوہ۔۔۔ دعا کی مقبولیت اس بات پہ بھی منحصر ہے کہ آپ کی دعا میں کتنی طاقت ہے؟ مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ۔۔۔ کم انرجی والی دعائیں کہیں آسمان اور زمین کے درمیان ہی اٹکی رہتی ہیں اللہ تک پہنچ ہی نہیں پاتیں اور انسان روتا ہے اللہ سنتا نہیں۔۔۔" وہ خاموش ہوئی۔ علی اسے دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے گہرا سانس بھرا۔

"بہرحال ایک عام انسان ان باتوں سے قائل نہیں ہو گا وہ مذہب یا دینی احکام کو ماورائی تصور کرتا ہے مگر ایسا نہیں ہے یہ بات تم سمجھ سکتی ہو میں سمجھ سکتا ہوں مگر عام انسان۔۔۔ اس کے لیے یہ ماننا مشکل ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ایسی سوچ کو گستاخی بھی قرار دے۔" علی نے جیسے تبصرہ کیا تھا۔ وہ جواب میں کندھے اچکا کر ہلکا سا مسکرائی تھی۔ وہ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی ایسے معاشرے میں جس میں اندھی عقیدت اور تقلید کا راج ہو۔

☆ ☆ ☆

اسے عائشہ احمد کا انکار سن کر حیرانی ہوئی تھی۔

تو کیا واقعی وہ اس کے قابل نہیں تھا؟ وہ اس پہ چار کی بجائے آٹھ حرف بھیج کر اس قصے کو ختم کرنا چاہتا تھا مگر تبھی تبریز صاحب نے اسے غیاث احمد کی ملاقات والی بات بتائی تھی اور تاکید کی تھی کہ جب بھی وہ مری جائے تو ان سے ضرور ملاقات کرے۔

وہ اس بات کو بھی نظر انداز کر دینا چاہ رہا تھا مگر عائشہ کا انکار اور باپ کی بات۔۔۔ وہ اسے کسی کانچ کے ٹکڑے جیسی چبھ رہی تھی۔ یہ بہت تکلیف دہ تھا۔ کوئی لڑکی مجھے ریجیکٹ بھی کر سکتی ہے اور میرا باپ اپنے لائق فائق بیٹے کو ایک عام سی لڑکی کے قابل بھی نہیں سمجھتا۔ اسے غصہ آنے لگتا وہ خوامخواہ اپنے ماتحتوں سے بد مزاج ہونے لگتا۔ وہ جتنا اس بات کو بھولنا چاہ رہا تھا وہ اتنی ہی دماغ پہ حاوی ہو رہی تھی۔

پھر غور کرنے پہ پتا چلا کہ غصہ، بے زاری، چڑچڑا پن یہ سب دور ہو سکتا تھا اگر وہ۔۔۔ وہ وجہ جان لے جس کی بنا

پہ اسے ریجیکٹ کیا گیا تھا۔

وہ ہی انسان کی متجسس فطرت۔۔۔ اور وہ اتنے فوری فیصلے لینے والا شخص تھا کہ اگلے ہی روز مری جا پہنچا۔ بہانہ بھی معقول تھا یہ وہ نہیں تھا جسے غیاث احمد سے ملنا تھا یہ غیاث احمد تھے جنہیں اس سے ملاقات کرنی تھی اور وہ اتنا سعادت مند اور خوش اخلاق تو تھا ہی کہ کسی بوڑھے شخص کو سفر کی زحمت سے بچا لے وہ بھی مری سے لاہور تک کا۔۔۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی علی تبریز کہ تم دوبارہ یہاں آئے۔" انہوں نے اس سے ملتے ہوئے کہا تھا۔

بدلے میں وہ کوئی اخلاق نہیں نبھا پایا بس خموشی سے بیٹھ گیا۔

چائے آچکی تھی اور غیاث احمد ادھر ادھر کی باتیں کیے جا رہے تھے اور اسے مطلب کی بات سے غرض تھی۔

"انکل! کیا میں وجہ جان سکتا ہے محترمہ کے انکار کی!" وہ بلا ارادہ 'لاشعوری طور پر بہت اچانک بول پڑا تھا۔ دماغ میں چھڑی ہوئی جنگ کا نتیجہ۔۔۔

غیاث احمد رکے۔۔۔ اسے غور سے دیکھا اور پھر حیران ہوئے۔

"تمہیں کس نے کہا اس نے انکار کیا ہے؟" اب کے حیرت کا شکار علی ہوا تھا۔

"ابو نے تو مجھ سے یہ ہی۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں اسے غلط فہمی ہوئی ہوگی میری بات کا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں نے کہا تھا کہ عائشہ کے کچھ تحفظات ہیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولے تھے۔

اور جیسے چبھا ہوا کانچ بنا زخم لگائے نکلا تھا۔ وہ یکدم پرسکون ہوا اور اب اس کا ارادہ خود انکار کرنے کا تھا۔ وہ ہی مرد کی پرانی فطرت۔۔۔

"کیسے تحفظات؟" وہ اب یکدم انکار نہیں کر سکتا تھا سو بات آگے بڑھائی گئی۔

"اسے لگتا ہے کہ وہ رشتوں کو نبھانے میں بالکل ناکام ہے۔"

"یا ئیں۔" جواب سن کر اسے وہ لڑکی سائیکو کیس لگی تھی۔ مگر اس نے ابھی جواب سنا تھا وجہ نہیں۔۔۔ اور پھر غیاث احمد نے اسے وجہ بھی بتا دی تھی۔ باپ کے عمل سے لے کر نعمان کے رد عمل تک۔

"ابو یہ جانتے ہیں؟"

"ہاں! اسے معلوم ہے۔"

"اور پھر بھی وہ سمجھتے ہیں کہ میں اس لڑکی کے قابل نہیں۔" اسے دھچکا لگا تھا۔ ایک مرتد کی بیٹی کے قابل نہیں سمجھتے کانچ کا کوئی حصہ ابھی بھی کہیں اندر ہی تھا۔

"علی تبریز! کچھ باتیں میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں اس کے بعد جو چاہے فیصلہ کرنا۔" چائے کا خالی کپ واپس رکھتے ہوئے انہوں نے خاموش بیٹھے علی سے کہا تھا۔

"تم ماڈرن ازم یا اپ ٹو ڈیٹ ہونا یا پھر روشن خیالی کسے کہتے ہو؟" پتا نہیں کیوں مگر وہ ہر بار ایسے سوال پوچھتے تھے جس کے لیے انسان کو اپنے دماغ پہ زور دینا پڑے۔ بے اختیار وہ جھنجلایا اور ابھی وہ ماڈرن ازم کی کوئی جامع تعریف سوچ ہی رہا تھا کہ وہ دوبارہ بول پڑے تھے۔

"تم اگر بہ 90 لوگوں کی طرح روشن خیالی یا پھر ماڈرن ازم گلے میں دوپٹے ڈالنے کو یا پھر بے ہودہ لباس پہننے کو یا مردوں سے بلاوجہ بے تکلف ہونے کو اور ہر اس کام کرنے کو کہتے ہو جس سے دین منع کرتا ہے تو الحمد للہ میری پوتی ایسی ماڈرن نہیں ہے اور اگر تم ماڈرن ازم سوچ کے وسیع ہونے کو کہتے ہو اور اپ ٹو ڈیٹ ہونا اس بات کو سمجھتے ہو کہ انسان زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلے تو میری بیٹی 'ماڈرن بھی ہے اور اپ ٹو ڈیٹ بھی۔"

انہوں نے جیسے اسے باور کرایا تھا کہ وہ اتنے بڑے ریسٹ ہاؤس کی جنرل منیجر ہے۔

"وہ جانتی ہے کس بندے سے کب اور کیسے بات کرنی چاہیے۔۔۔ کیا تم ایک PHD ہولڈر سے توقع کرتے ہو کہ اسے سلیقہ نہیں ہوگا نشست و برخاست 'گفتگو کا' اسے زندگی برتنے کا ڈھنگ نہیں ہوگا؟" وہ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اسے دیکھ رہے تھے اور علی نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

"اور اب تم دیکھ لو کہ عائشہ تمہاری ماڈرن ازم کی تعریف پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔"

"ایک اور بات میں واضح کر دوں آج اگر تم عائشہ سے شادی کا فیصلہ محض اس مفروضے پر کرتے ہو کہ کل وہ بدل جائے تو یہ بات اپنے ذہن میں رکھو علی تبریز ___ وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی۔ شوہر کے کہنے پہ وہ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکامات کو پس پشت نہیں ڈال سکتی۔ شوہر بے شک عورت کی زندگی میں سب سے زیادہ مقام رکھتا ہے مگر پھر بھی وہ (خدا) (نعوذ باللہ) نہیں ہوتا عورتوں کو بھی اللہ کو جان دینی ہے شوہروں کو نہیں۔"

ان کی اتنی سخت بات پہ وہ محض ان کا منہ دیکھ کر رہ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ان سے اجازت لے کر اٹھ چکا تھا اور پھر ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ ہمیشہ غیاث احمد کے پاس آکر اسے ایسا کیوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہ وہ کوئی احمق ہو جو کوئی بات جانتا ہی نہیں۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ غیاث احمد کی باتیں اس کے دماغ کی کوئی کھڑکی کھول دیا کرتی تھیں۔ ایسی کھڑکی جس سے روشنی اندر آکر سوئے ہوئے شخص کو بے دار کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

بے ساختہ اس نے پیشانی مسلی تھی وہ الجھ چکا تھا ___ وہ انہیں انکار بھی نہیں کر سکا ___ وہ نہیں جانتا تھا کہ کس چیز نے اس کی زبان باندھی تھی ___ وہ ہوٹل پہنچ چکا تھا مگر سوچیں ___ ان کا سفر جاری تھا۔ مری آکر اسے بہت سی باتیں یاد آئی تھیں۔ اس نے لیپ ٹاپ آن کیا اور اسے یاد آیا تھا عورت کی دین داری کو فوقیت دینے والی حدیث۔

اسے یاد آیا کہ بہترین نعمت کیا تھی اس دنیا کی۔

اور اسے یہ بھی یاد آیا آج جب غیاث احمد عائشہ کے باپ کے بارے میں بات کر رہے تھے تو انہوں نے کہا تھا کہ "وہ ارسلان احمد کی اچھی تربیت نہیں کر سکے تھے مگر عائشہ ___ اس کی تربیت میں انہوں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ بچوں کی تربیت ماں باپ پہ فرض نہیں قرض کی طرح ہوتی ہے جو بہر حال انہیں چکانا ہوتا ہے۔"

"تربیت۔" اس نے رک کر اس لفظ پہ غور کیا۔

"بچوں کو اچھی انگریزی بولنی آجائے اچھے اسکولز میں تعلیم حاصل کریں، چھری کانٹے سے کھانا کھانا آجائے اور اسی جیسی دوسری بہت سی اہم چیزیں ___"

وہ اسے تربیت سمجھتا تھا کیونکہ اس کی ایسی ہی تربیت ہوئی تھی اور وہ بھی ایسی ہی کسی لڑکی سے شادی کرے گا جو کہ کل کو اس کے بچوں کی ایسی ہی تربیت کر سکے۔ بس زندگی یہ ہے اور کیا یہی ہے اس کا مقصد؟ تو پھر مذہب کی جنگ کیوں؟" لیپ ٹاپ کے ٹچ پیڈ پہ انگلی پھیرتے ہوئے وہ سوچے جا رہا تھا۔

اور پھر یکدم اسے احساس ہوا کہ وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا یا پھر اسے یہ احساس ہوا کہ اپنے لیے وہ خود کوئی بہترین فیصلہ نہیں کر سکتا ___ وہ جانتا تھا کہ اس کے لیے بہترین فیصلہ، کس کا ہو سکتا ہے اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر لیپ ٹاپ آف کیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ سوچیں اب بھی اس کے دماغ کو تنگ کیے جا رہی تھیں ___ اور پھر نیند نے ان سوچوں پہ غلبہ پالیا۔

☆ ☆ ☆

جب اس کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو اس نے دادا کے وکیل کی گاڑی وہاں کھڑی دیکھی تھی۔

پتا نہیں کیوں مگر اسے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ دادا نے وکیل کو اپنی وصیت تیار کرنے کے لیے بلایا ہو گا۔

وہ آج کل بیمار تھے اور عائشہ کو ہی سارے انتظامات کو دیکھنا پڑ رہا تھا ہوٹلز، ریسٹ ہاؤس ___ یہ کام اس اکیلی کے بس کی بات نہیں تھی۔ لائر کے جانے کے بعد وہ ان کے کمرے میں آئی تھی۔

"آپ ایسے کام کیوں کرتے ہیں گرینڈ پا! جس سے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

مجھے تکلیف ہو۔" کوشش کے باوجود آنکھوں کی نمی کو وہ قابو نہیں کرپائی۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔ وہ مسکرائے۔

"جانا تو ہر ایک کو ہے عائشہ!" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولے۔ عائشہ کے دل کے جیسے ٹکڑے ہوئے تھے۔

"دادا پلیز۔۔۔ ایسی بات نہ کیا کریں میں نے ماں دیکھی ہے نہ باپ۔۔۔ سوائے آپ کے آپ کو میرے لیے ٹھیک ہونا ہے۔۔۔" وہ رو پڑی تھی حالانکہ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

"نہیں عائشہ بچے! روتے نہیں۔۔۔ صبر کرتے ہیں۔" اس نے سر ہلایا مگر پھر بھی آنسوؤں کو پینے میں ناکامی ہو رہی تھی۔

"تم نے رپورٹس دیکھی ہیں نا! میں پہلے سے بہتر ہو رہا ہوں نا صرف اپنے بچے کے لیے۔۔۔" کمزور سی آواز میں کہتے ہوئے انہوں نے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

"تو پھر لائر کو کیوں بلایا تھا؟"

"ارے۔۔۔" وہ ہنس پڑے۔

"کچھ کام ضروری ہوتے ہیں عائشہ!" انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا اور پھر انہوں نے عائشہ کو وصیت کی ایک کاپی دی اور ساتھ ہی اسے وصیت سے آگاہ بھی کیا۔

"مجھے کسی چیز کی ضرورت اتنی محسوس نہیں ہوتی جتنی کہ آپ کی۔۔۔" ان کی بات ختم کرنے کے بعد وہ نم آواز میں بولی۔

"میں فش بنا کر لاتی ہوں آپ کے لیے۔۔۔" چند لمحوں بعد اس نے کہا تھا۔ دراصل وہ۔۔۔ وہاں سے دور ہونا چاہتی تھی۔ وہ کھل کر رونا چاہتی تھی۔ دادا کی طبیعت بہت خراب تھی اور ڈاکٹرز اندیشہ ظاہر کر رہے تھے کہ انہیں پھر سے اٹیک ہو سکتا تھا۔ ان کے پاس بائی پاس کا بھی آپشن تھا مگر ابھی غیاث احمد کا بی پی مسئلہ بنا ہوا تھا۔

عائشہ نے علی کو ساری صورت حال بتائی تھی اس نے کہا تھا آفس کے کر وہ چند دنوں بعد آجائے گا۔

☼ ☼ ☼

"تو تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے فیصلہ کروں؟" علی کے بات کرنے پہ تبریز صاحب نے سوال پوچھا تھا۔

"ظاہر ہے اور میں نے کس لیے آپ کو ساری بات سمجھائی ہے۔" وہ بے ساختہ چڑا تھا۔

"بعد میں اگر کبھی تم نے مجھے الزام دیا تو۔۔۔" اس نے زچ ہو کر باپ کی شکل دیکھی تھی۔

"سوچ لو وہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے۔۔۔"

"میں آپ سے فیصلہ چاہتا ہوں اور آپ ہیں کہ مجھے ڈرائے جا رہے ہیں۔ عجیب الجھن میں پڑا ہوں آپ کے دوست کے پاس ہوتا ہوں تو لگتا ہے کہ عائشہ کسی نعمت کی طرح ہے اور جب ادھر واپس آتا ہوں تو لگتا ہے کہ مجھے ویسی لڑکی سوٹ نہیں کرتی اور آپ ہیں کہ۔۔۔" غصے سے بولتے بولتے اس نے ایک ناراض نظر ان پہ ڈالی تھی۔ وہ مسکرائے تھے۔

"جاؤ جا کر ریسٹ کرو۔۔۔ دیکھا جائے گا۔"

وہ چاہتا تھا کہ اس کا باپ فوری فیصلہ کرے مگر وہ۔۔۔ اس نے گھور کر انہیں دیکھا اور پھر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ علی کی فیملی مختصر سی تھی۔ والدہ کی وفات ہو چکی تھی اور وہ تین بھائی تھے۔ دونوں بڑے بھائی شادی شدہ تھے اور وہ اپنے اپنے گھروں میں سیٹل تھے۔ اب تبریز صاحب تھے اور وہ تھا۔

پچھلے دو ہفتوں سے وہ تبریز صاحب کے فیصلے کا منتظر تھا اور راوی اتنا چین میں تھا کہ لکھنا ہی چھوڑ چکا تھا۔

تبریز صاحب نے اس مسئلے پہ غیاث احمد سے لمبی بات کی تھی اور دونوں مشورے سے نتیجے پہ پہنچ چکے تھے۔

اور پھر۔۔۔ اپنے نکاح والے دن اس نے کوئی ایک معقول وجہ ڈھونڈنی چاہی تھی اس فیصلے کے بارے میں۔۔۔ افسوس کہ وہ ناکام رہا۔ یہ خالصتاً اس کے باپ کا اس کے لیے فیصلہ تھا اچھا یا برا۔۔۔ یہ تو وقت نے ہی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بتاتا تھا۔

عائشہ کو نکاح کے بعد اس کے ساتھ لا کر نہیں بٹھایا گیا اور اس پہلی چیز نے ہی اسے تکلیف دی تھی۔

"حد ہے دقیانوسیت کی۔۔۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا مگر چند ہی لمحوں بعد اسے عائشہ کے کمرے میں جانے کا عندیہ ملا تھا۔ وہ حیران ہوا یا خوش۔۔۔ وہ سمجھ نہیں سکا تھا۔

عائشہ کی کسی رشتے دار خاتون نے اسے کمرے تک پہنچایا تھا۔ دروازہ کھولتے وقت اس کے دماغ میں جو عائشہ کی تصویر تھی وہ۔۔۔ وہی تھی کالا دوپٹا لپیٹے ہوئے۔۔۔ عام سے حلیے میں میک اپ کے بغیر۔۔۔

مگر جب اس نے دروازہ کھولا تو جیسے وہ اسے بند کرنا بھول گیا تھا۔ وہ وہیں چپک سا گیا تھا۔ وہ بے یقینی سے بت بنا سامنے موجود لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ سرخ رنگ اتنا دلکش تھا کہ اسے بھی حسین بنا دیا تھا یا پھر وہ اتنی خوب صورت تھی کہ اس کے حسن سے وہ سرخ رنگ اپنی قیمت بڑھا گیا تھا۔ لمحوں بعد سحر ٹوٹا۔۔۔ اسے ہوش آیا اور وہ دروازہ بند کر کے اندر آیا۔

وہ نروس تھی یا نہیں البتہ اس کی نظریں اور سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اس کے پاس آکر بیٹھا مگر یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اسے عائشہ سے کیا کہنا تھا۔ بے ساختہ علی نے گہرا سانس بھرا۔ وہ چند لمحے اور خاموشی کے گزرے تھے۔

وہاں صرف ان دونوں کے سانسوں کا ارتعاش تھا اور پھر خاموشی کو توڑتا ہوا سلام 'عائشہ کی طرف سے آیا تھا۔ وہ گڑبڑایا اور پھر جواب دیا تھا۔

"میں سوچ کر آیا تھا کہ تم ابھی بھی دوپٹے میں لپٹی بیٹھی ہو گی 'ڈھلے ہوئے چہرے کے ساتھ۔۔۔" وہ بولا اسے لگا وہ مسکرائی ہے۔

اس نے عائشہ کا ہاتھ پکڑا مہندی سے سجا ہاتھ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ چہرہ دیکھنے کی خواہش میں وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے آ بیٹھا تھا مگر ہاتھ تو اس نے ابھی بھی نہیں چھوڑا۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔۔۔ بنا پلک جھپکائے عائشہ نے نروس ہو کر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ اس نے گرفت اور سخت کرلی۔۔۔ اور پھر اس نے عائشہ کو گھبراتے دیکھا تھا اور بے ساختہ وہ ہنسا تھا۔

کیا یہ وہ ہی لڑکی تھی' جس نے اپنے آفس میں اسے اچھی خاصی سنائی تھیں؟ اور ابھی وہ کیسے نروس ہو رہی تھی۔

اچانک اسے یاد آیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"عائشہ! کوئی وعدہ نہیں۔۔۔ کوئی دعوا نہیں ہاں البتہ کوشش ہو گی ایک اچھی اور پر سکون زندگی تمہیں دینے اور تمہارے ساتھ گزارنے کی۔" عائشہ کے ہاتھ پہ اس کی گرفت جذبے کی سچائی بتا رہی تھی پھر رک کر اپنی جیب سے ایک کیس نکالا اور ایک خوب صورت سا بریسلیٹ اب اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میں یہ کہاں پہناؤں؟" سادگی سے سوال آیا۔

عائشہ نے نا سمجھی سے بے اختیار سر اٹھایا تھا اور اس کی آنکھوں میں شرارت دیکھ کر فوراً" جھکا دیا۔ اس کی دونوں کلائیاں چوڑیوں سے بھری ہوئی تھیں اور پھر خود علی نے اس کا دایاں ہاتھ چوڑیوں سے خالی کیا۔ اور اب اس میں وہ بریسلیٹ پہنا رہا تھا۔

"تم اتنی خوب صورت لگ رہی ہو عائشہ! کہ مجھے لگ رہا ہے کہ یہ وہ لڑکی نہیں جسے میں پہلے دیکھ چکا ہوں۔" بریسلیٹ پہنانے کے بعد اس نے کہا تھا۔

عائشہ اس دفعہ مسکراہٹ نہیں روک سکی۔ وہ چند لمحے اور اسے دیکھتا رہا اور پھر اسے احساس ہوا کہ اسے کمرے میں آئے کافی وقت ہو چکا ہے اور یہ خاصی بدتمیزی کا مظاہرہ تھا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی جو وہ یوں کمرے میں ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گیا۔ وہ اٹھا۔ دروازے پہ رک کر یکدم پلٹا۔ عائشہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے یوں پلٹنے پہ یکدم گڑبڑائی تھی۔

علی نے دل کھول کر قہقہہ لگایا تھوڑی دیر اور اسے دیکھنے کے بعد وہ چلا گیا اور عائشہ نے بے ساختہ اپنے گالوں پہ ہاتھ رکھے۔ اس کے گال تپ رہے تھے۔

اور کمرے سے باہر نکلتے وقت علی تبریز کو سمجھ آیا تھا کہ کیوں وہ یہ مسئلہ لے کر اپنے باپ کے پاس گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ عائشہ کے حق میں فیصلہ دے

W.PAKISTANIWEB.PK

گا وہ بھی یہی چاہتا تھا۔ تب وہ اتنا الجھا ہوا تھا کہ چاہتا تھا کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس الجھن سے اسے نکال لے۔ تب اسے یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ اب آگئی تھی ایک حدیث کی طرح اس کے سینے میں گڑ گئی تھی۔

غیاث احمد نے نکاح صرف اس لیے کیا تھا تاکہ عائشہ کو اس رشتے اور اس کے تقاضے سمجھنے کے لیے تھوڑا وقت مل سکے۔ اس کے تحفظات دور ہو سکیں اسی لیے رخصتی بھی نہیں کی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کا سیل فون متواتر بج رہا تھا مگر وہ اسے مل ہی نہیں رہا تھا۔ سامنے فائلز کا ڈھیر کھلا پڑا تھا اور سیل فون ان فائلز کے ڈھیر کے نیچے۔۔۔ وہ بج بج کر خاموش ہو چکا تھا۔

اس نے فائلز کے اندر پیپرز لگا کر انہیں ترتیب سے رکھنا شروع کیا تبھی سیل پھر سے بج اٹھا۔

اب کی بار وہ اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہوئی۔ گھر سے کال آئی تھی۔

"یا اللہ خیر۔۔۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

ریسیو کرنے کے بعد جو خبر اس نے سنی اسے سن کر عائشہ کے منہ سے کوئی آواز تک نہیں نکل سکی۔ سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا۔۔۔ چند لمحے وہ یوں ہی بت بنی۔۔۔ ساکت بیٹھی رہی اور پھر جیسے دماغ نے کام کرنا شروع کیا غیاث احمد کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور انہیں ہسپتال پہنچایا گیا تھا۔

اس نے سیل فون اٹھایا۔۔۔ بدحواس ہو کر وہ آفس سے باہر نکلی۔ باہر اس کی گاڑی اور ڈرائیور موجود تھا۔ اس نے چیخ کر ڈرائیور سے گاڑی اسٹارٹ کرنے کو کہا۔ ہسپتال پہنچنے پہ پہلے سے بھی زیادہ بری خبر اس کی منتظر تھی۔

غیاث احمد کو دوسرا ہارٹ اٹیک ہوا تھا ڈاکٹر نے اسے بتایا اور وہ خبر سننے کے بعد یک ٹک ڈاکٹر کو دیکھنے لگی اس کا رنگ فق ہوا اور اس کے چہرے سے جیسے کسی نے یکدم سرخی نچوڑ لی۔

"عائشہ! آپ ٹھیک ہیں۔" ڈاکٹر اپنی جگہ چھوڑ کر اس تک آیا تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن اچانک اتنی تیز ہوئی کہ اسے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

"پانی!" اس نے خود کو کہتے سنا۔ ڈاکٹر نے فوراً پانی کا گلاس اسے دیا۔

پانی پینے کے بعد اس نے گلاس کو یوں مضبوطی سے پکڑے رکھا جیسے کہ شدید خوف کی حالت میں کوئی کسی سہارے کو پکڑتا ہے۔

بے اختیار ڈاکٹر کو اس پہ ترس آیا تھا۔ وہ غیاث احمد کا فزیشن تھا وہ سمجھ سکتا تھا کہ عائشہ کی اس وقت کیا حالت ہو رہی ہو گی۔

اس نے نرمی سے عائشہ کے ہاتھوں سے گلاس لینا چاہا وہ چونکی اور پھر انہیں غائب دماغی سے گلاس پکڑا دیا تھا۔

"تم! کال کر کے کسی مرد رشتے دار کو بلا لو عائشہ!" ڈاکٹر کے کہنے پہ اسے بے اختیار علی کا خیال آیا اور پھر اس نے سب سے پہلے علی کو ہی کال کی تھی۔ اس کے بار بار پوچھنے پر بھی ڈاکٹرز اسے غیاث احمد کی حالت کے بارے میں صحیح سے نہیں بتا رہے تھے۔ وہ کسی مرد سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔

کیونکہ وہ تو۔۔۔ ابھی تک اتنی ہمت نہیں کر سکتی تھی کہ دادا کو ہی دیکھ سکے۔ ابھی تو اس نے خوش رہنا سیکھا تھا اور۔۔۔ وہ انہیں پھر سے مشینوں میں جکڑا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ وہ انہیں "دادا" کہہ کر پکارے اور غیاث احمد کی سانسوں کا جواب آئے۔

وہ ایک کام کر سکتی تھی۔۔۔ وہ دعا کر سکتی تھی۔ سو علی کو وہ ہسپتال کے اس ایریے میں ملی تھی جو کہ نماز پڑھنے کے لیے مخصوص تھا۔

علی نے ایک کونے میں اسے دونوں ٹانگیں سینے سے لگائے اور بازوؤں کو ٹانگوں کے گرد لپیٹے ہوئے بیٹھے دیکھا تھا۔ اسے عائشہ کے دکھ پہ دکھ ہوا تھا۔ اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے علی نے اس کے

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔ وہ چونکی اور پلٹ کر دیکھا اور پھر کتنی کوشش کی تھی اس نے کہ وہ ضبط کر سکے۔۔۔ اس کا چہرہ سیکنڈز میں سرخ ہو گیا تھا۔

"علی!" کپکپاتی ہوئی نم آواز علی کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے بے اختیار عائشہ کو ساتھ لگایا تھا اور ضبط قائم نہیں رہ سکا۔ وہ علی کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑے سسک سسک کر رو رہی تھی۔

"بس! عائشہ۔۔۔ بس۔" اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے علی نے اسے چپ کروایا تھا۔

"اٹھو' آؤ میرے ساتھ دادا کو دیکھ لو۔"

"نہیں!۔۔۔ میں نہیں اٹھوں گی یہاں سے جب تک گرینڈ پا ٹھیک نہیں ہو جاتے۔" وہ کسی ضدی بچے کی طرح بولی۔ بے ساختہ علی زچ ہوا وہ اسے کیسے سمجھاتا کہ وہ دادا کو دیکھ لے کیونکہ ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ ڈاکٹرز اسے ساری باتیں بتا چکے تھے۔ چند لمحے بے بسی سے وہ اسے دیکھتا رہا۔

"عائشہ! دادا کتنے ہرٹ ہوں گے جب انہیں پتا چلے گا کہ تم انہیں دیکھنے نہیں آئی تھیں۔" اس کے دونوں ہاتھوں کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے کسی بچی کی طرح پچکارتے ہوئے وہ بولا تھا۔ جواباً" وہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں چلی گئی تو دادا کے لیے دعا کون کرے گا۔"

"دعا تو تم ان کے پاس بیٹھ کر بھی کر سکتی ہو۔"

"مگر۔۔۔"

اور وہ اٹھ گئی تھی۔

پہلے تو وہ وہاں سے آنے کے لیے راضی نہیں ہو رہی تھی اور اب دادا کے پاس سے اٹھنے کے لیے تیار نہیں تھی ان کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگائے وہ مسلسل مگر بے آواز رو رہی تھی۔ غیاث احمد بے ہوشی کی حالت میں تھے۔ انہیں سویئر ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اس نے آہستگی سے غیاث احمد کا ہاتھ پکڑ کر ان کے پہلو میں رکھا اور قرآن کھول کر پڑھنے لگی تھی۔

پڑھتے پڑھتے یکدم اسے پتا نہیں کیسی بے چینی ہوتی' وہ رک کر غیاث احمد کا چہرہ دیکھنے لگتی اور پھر جب چہرہ دیکھتے دیکھتے اچانک اسے کوئی خیال آتا تو پھر سے قرآن کھول کر پڑھنا شروع کر دیتی۔ عجیب پاگلوں جیسی حالت تھی اس کی۔

I.C.U میں زیادہ دیر تک مریضوں کے احباب کو رکنے نہیں دیا جاتا تھا سو اسے بھی باہر بھیج دیا گیا تھا۔ جب وہ باہر آئی تو علی ڈاکٹر سے غیاث احمد کو اسلام آباد کے اسپتال شفٹ کرنے کی بات کر رہا تھا۔ وہ رکی نہیں بلکہ پھر سے نماز والے ایریے میں جا بیٹھی۔ اسے نہیں معلوم کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے۔ لاہور میں بھی اس کے رشتے داروں کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ اس کے چند ایک رشتے دار پہنچ بھی چکے تھے۔ علی ہی سب سے مل رہا تھا۔

وہ کمزور تھی۔۔۔ اتنی بڑی جنگ نہیں لڑ سکتی تھی۔ وہ رو سکتی تھی سو رو رہی تھی۔۔۔ دعا مانگ سکتی تھی سو مانگ رہی تھی۔۔۔ وہ کسی سے ملنا۔۔۔ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دادا کے حوالے سے رسمی کلمات سننے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ وہ کسی چوزے کی طرح چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔

نوافل پڑھ کر دعا مانگتے مانگتے پتا نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی تبھی اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی جگہ پہ کھڑی تھی جہاں پہ پس منظر میں سفید روشنی تھی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور ہوا نرمی سے انہیں اڑا رہی تھی اچانک کھٹکا ہوا اور اس نے چونک کر دیکھا وہ دادا تھے۔ بے اختیار وہ خوش ہوئی کیونکہ دادا بالکل ٹھیک لگ رہے تھے اور اپنی چھڑی کے سہارے آہستہ آہستہ اس کی طرف آ رہے تھے۔ وہ کھٹکے کی آواز اسی چھڑی کی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائے۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے قریب پہنچ کر دادا نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"روتے نہیں بچے۔۔۔ صبر کرتے ہیں۔" اور پھر انہوں نے اپنا مخصوص جملہ کہا تھا یہ جملہ وہ تب کہا کرتے تھے جب وہ بہت رویا کرتی تھی اور پھر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

وہ بہت کم خواب دیکھتی تھی اور جب بھی دیکھتی یا

Scanned with CamScanner

معنی دیکھتی اس نے اس خواب کے معنی سمجھنے کی کوشش کی اور پھر اسے سمجھ آیا کہ دادا ٹھیک ہو جائیں گے ان کا سر پہ ہاتھ رکھنا۔۔۔ اس ایک بات نے اسے پرسکون کیا اور وہ اٹھ کر دادا کو دیکھنے کے لیے جانے لگی راستے میں ہی اس نے علی کو سامنے سے آتے دیکھا وہ اسے آتے دیکھ کر بے اختیار رکی علی کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ عائشہ کے دل کو کچھ ہوا وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکی تھی۔ بلکہ وہ حرکت ہی نہیں کر سکی اور پھر علی اس کے پاس آیا چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد اس نے سر جھکایا۔

"عائشہ! تمہارا دعائے انرجی والا فلسفہ فیل ہو گیا۔" اور پھر اس نے علی کو کہتے سنا تھا اسے سمجھنے میں تاخیر نہیں لگی اور اس کے ساتھ ہی اسے یاد آیا۔ وہ خواب۔۔۔ وہ جملہ "روتے نہیں بچے۔۔۔ صبر کرتے ہیں۔" تو اسے اب صبر کرنا تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ صبر کرے۔۔۔ اچانک دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے اپنے منہ پہ پھیرے تھے یوں جیسے خود پہ قابو پانا چاہا ہو اٹک اٹک کر اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تھا۔

وہ اپنے پیروں پہ کھڑا رہنا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ یکدم ہاتھوں اور پیروں میں اترنے والی لرزش سے وہ گرے نہیں مگر وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔ صبر کرنے کی۔۔۔ ضبط کرنے کی اور سیدھا کھڑا رہنے کی' سو اس کا توازن بگڑا تھا۔۔۔ بے اختیار اس نے دیوار کا سہارا لیا۔

"تو کیا آج کے بعد اسے گرینڈ پا! دیکھنے کو بھی نہیں ملیں گے۔" سینے میں سانس پھنسنے جیسی تکلیف ہوئی تھی۔

"28 سال جس کی شفقت اور محبت کے سائے میں گزارے اب باقی زندگی اس کے بغیر کیسے گزرے گی؟!" اس نے خود کو ٹھنڈا پڑتے محسوس کیا وہ وہیں دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی۔

حیرت کی بات تھی مگر وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ علی کو اس کے ردعمل پہ حیرانی ہوئی۔ اس کے خیال میں تو اس خبر کے سننے کے بعد عائشہ کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا مگر وہ۔۔۔ صدمے نے اسے اتنا تھکا دیا تھا کہ آنسو بہانے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔

علی نے اسے اٹھایا اور اپنے ساتھ لگاتے ہوئے وہ اس ہجوم کی طرف آیا تھا جو کہ اس کے رشتے داروں نے I.C.U کے باہر لگا رکھا تھا۔

اس کی پھوپھیاں رو رہی تھیں بین کر رہی تھیں عائشہ کو وہ آوازیں سخت کریہہ لگیں۔۔۔ وہ ایسی آوازیں نہیں سننا چاہتی تھی۔ اس نے اتنی بے بسی سے علی کو دیکھا تھا کہ علی سے ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا اور پھر I.C.U سے باہر آتا اسٹریچر۔۔۔ سفید چادر سے ڈھکا وہ مشفق وجود جو اس کی کل کائنات تھا۔

عائشہ نے دیکھا اور وہ علی تبریز کے بازوؤں سے پھسلنے لگی۔۔۔ اس کی کمر پہ وہ چوٹ پڑی تھی جس نے اسے سیدھا کھڑا رہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا 28 سالوں سے وہ اس شخص کا چہرہ دیکھتی آئی تھی اور اب اگلے کئی سال اس شخص کے بغیر گزارنے تھے۔ وہ چہرہ اب کبھی دیکھ نہیں پائے گی۔ یہ غم وہ ساری زندگی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس دکھ نے جیسے اسے اپاہج کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

غیاث احمد کی وفات کے تین دن بعد اس نے سب پھوپھیوں کو جمع کیا اور وکیل کو بلوایا تھا۔

اس کے عزیز و اقارب کے خیال میں وہ اس تمام پراپرٹی کی اکلوتی وارث تھی مگر ان کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ غیاث احمد جیسا آدمی کسی کی حق تلفی نہیں کر سکتا تھا۔

ساری جائیداد کی تقسیم شریعت کے مطابق ہوئی تھی ماسوائے اس ریسٹ ہاؤس کے وہ ریسٹ ہاؤس غیاث احمد کی طرف سے عائشہ کے لیے شادی کا تحفہ تھا وہ گھر جہاں پہ اس نے بچپن سے لے کر جوانی تک کا عرصہ گزارا تھا۔ مادی چیزوں میں وہ اسے سب سے زیادہ قیمتی تھا مگر وصیت کے مطابق اس گھر کو بیچنے کے بعد برابر کا تقسیم کرنے کو کہا گیا تھا۔ باقی سب افراد کے لیے تو غیاث احمد مرے ہوئے ہاتھی جیسے ثابت ہوئے تھے

ان کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی اور عائشہ۔
علی نے اسے گھر کے لان میں اندھیرے میں بیٹھے دیکھا تھا۔ رات ایک بجے کا وقت ہو رہا تھا اور جب سے وکیل گیا تھا وہ۔۔۔ وہیں سنگی بینچ پہ بیٹھی ہوئی تھی۔

علی کے آنے پہ وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔

وہ خاموشی سے اس کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔

"تم کل ریسٹ ہاؤس شفٹ ہو رہی ہو؟"

اندھیرے میں علی کا چہرہ واضح نظر نہیں آرہا تھا۔

"ہاں! اور پھر وہ لوگ اس گھر کو بیچ دیں گے' اپنا اپنا حصہ لے کر اپنی اپنی زندگیوں میں واپس چلے جائیں گے انہیں کون سمجھائے گا علی تبریز۔۔۔ اس گھر کی یادوں میں میرا بھی حصہ ہے۔۔۔ اور وہ یہ حصہ مجھ سے چھین رہے ہیں۔" علی تبریز کو اس کی آواز روتی ہوئی لگی۔

اس نے اپنا ہاتھ عائشہ کے ہاتھ پہ رکھا۔ اس کے پاس لفظ ختم تھے جس سے وہ اسے تسلی دیتا۔

"میں صبر کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ اسی طرح جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے فوت ہوئے۔۔۔ مگر مجھ سے نہیں ہوتا میرا دل چاہتا ہے کہ میں اتنا چیخ چیخ کر رووں کہ آسمان پھٹ پڑے۔ اللہ سے شکوہ کروں کہ کیوں اس نے میرے دادا کو مجھ سے چھین لیا۔۔۔ مگر کیا عذاب ہے علی تبریز۔۔۔ میں ایسا نہیں کرسکتی۔۔۔ مجھے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔" وہ کبھی اتنا نہیں بولتی تھی اور کبھی اس طرح سے اظہار نہیں کیا تھا جس طرح آج کر رہی تھی۔

آواز نم مگر دکھ سے بھرائی ہوئی تھی۔

"صبر کیسے کرتے ہیں علی؟" پھر سوال آیا۔

علی کے لیے ہمیشہ اس کے سوالوں کا جواب دینا مشکل ہوتا تھا اب بھی وہ لاجواب ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنا بازو اس کے کندھے کے گرد پھیلایا تھا اور عائشہ نے چند لمحوں بعد اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکایا اور رات عائشہ احمد کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ کر کے پگھلتی رہی۔۔۔ اور کسی کی ہتھیلیوں کو جلاتی رہی۔۔۔

☆ ☆ ☆

غیاث احمد کی وفات کے چوتھے دن وہ ریسٹ ہاؤس شفٹ ہوئی اور پانچویں دن وہ اپنے آفس میں موجود تھی۔

علی تبریز اور اس کے والد بھی واپس جا چکے تھے۔ علی کی اب پہلی کوشش یہ تھی کہ وہ اپنا ٹرانسفر مری کروا سکے۔ ایک دفعہ اس کا ٹرانسفر ہو جاتا تو پھر گورنمنٹ کی طرف سے رہائش بھی مل جاتی اور یوں عائشہ مری میں اکیلی نہ رہتی اس کی پانچوں پھوپھیاں گھر بیچ کر جا چکی تھیں اور جہاں تک ہوٹلز کا معاملہ تھا تو عائشہ نے ان کے سامنے ایک حل رکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ دادا کی اتنی محنت کو بیچ کر ضائع کر دیا جائے سو اس نے ان ہوٹلز کی نگرانی اور دیکھ بھال کا ذمہ لیا تھا اور پرافٹ میں پچاس فیصد کی شراکت کی شرط رکھی تھی۔

تب تو اس کے رشتے داروں کو اس ڈیل میں نقصان نظر آیا تھا مگر کچھ عرصہ بعد وہ سب راضی ہوگئے تھے۔ سو سب کچھ ویسا ہی رہا تھا جیسا کہ دادا کی زندگی میں تھا ماسوائے اس گھر کے۔۔۔

ایک گھر سے۔۔۔ ایک کمرے میں شفٹ ہونا اتنا تکلیف دہ نہیں تھا جتنا اس گھر کو چھوڑنا۔۔۔ اس کی ملکیت سے دستبردار ہونا بہر حال زندگی کا کام چلنا ہے سو وہ اپنے گزارنے والوں کو بھی رکنے نہیں دیتی۔۔۔ جیسی بھی تھی زندگی مگر چل رہی تھی۔

پھر علی تبریز کا ٹرانسفر بھی مری میں ہوگیا۔ تبریز صاحب فی الحال اس کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ انہیں لاہور میں موجود گھر کے کچھ معاملات نبٹانے تھے علی نے ابھی رخصتی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ وہ عائشہ کو وقت دینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ عائشہ غم اور دکھ کے فیز سے باہر آجائے تو رخصتی بھی ہو جائے گی۔ اور پھر غیاث احمد کے جانے کے دو ماہ بعد علی نے اس سے بات کی تھی۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا اگر وہ اور وقت لینا چاہتی ہے تو لے سکتی ہے اور اس نے کہا۔ "آپ اگر بیس سال بعد بھی مجھ سے یہ بات کرتے تو تب بھی اس

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

خوشی کے موقع پر میں ایسے ہی غم زدہ ہوتی جیسی کہ آج ہوئی ہوں۔" علی تبریز سمجھ سکتا تھا۔ اس کو۔۔۔ اس کی حالت کو۔۔۔ وہ اسے یوں اکیلا بھی تو نہیں چھوڑ سکتا تھا اور پھر ان دونوں کی شادی ہو گئی۔

وہ رخصت ہو کر علی کی سرکاری رہائش گاہ پہ آئی تھی۔ آج جب وہ کمرے میں آیا تو بے اختیار اسے نکاح یاد آیا تھا۔ وہ آج اس دن سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی ہاں آج وہ نروس نہیں تھی مگر وہ علی کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ اندر داخل ہو کر علی نے اسے سلام کیا تھا۔

اس نے سر ہلا کر جواب دیا۔ سر ہلانے سے اس کے زیورات بج اٹھے۔ اس نے رک کر اس کے بناؤ سنگھار کو دیکھا تھا۔

علی نے کبھی بھی اسے اتنا بنا سنورا نہیں دیکھا تھا ماسوائے نکاح کے دن یا پھر آج۔۔۔ اور وہ علی ہی تھا جس نے اسے اتنا سجا سنورا دیکھا تھا۔

عموماً وہ گھر سے باہر عبایا میں رہتی تھی وہ اکثر اس سے گھر سے باہر ہی ملا کرتا تھا۔ اس لیے اس کا یہ روپ اسے مسحور کر رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ الماری کی طرف مڑا الماری سے اس نے ایک فائل نکالی اور فائل لے کر اس تک آیا۔ بلیو کلر کی فائل کے اوپر ریڈ کلر کا خوب صورت فیتا بندھا ہوا تھا۔ اس نے فائل عائشہ کے آگے رکھی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" حسب توقع حیرانی سے پوچھا گیا تھا۔

"پڑھی لکھی ہو کھول کر دیکھ لو۔" شرٹ کے کف کھولتے ہوئے وہ انہیں اوپر کرتے ہوئے عام سے لہجے میں بولا تھا۔ عائشہ جواب پہ اور حیران ہوئی تھی لیکن پھر وہ فائل کو کھولنے لگی تھی۔ اس فائل کو کھولنے کے بعد جیسے اسے سکتہ ہوا تھا۔ وہ غیاث احمد والے گھر کے پیپرز تھے تو وہ گھر علی نے خرید اتھا۔

علی اب اس کے سامنے بیٹھا مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ عائشہ نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیکھا۔ وہ ان آنکھوں میں موجود جذبات کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ ان آنکھوں سے جھلکتا تشکر اور محبت اسے مسحور کر رہا تھا۔

"ہوں بری بات۔۔۔" اس کی آنکھ سے آنسو پھسلتا دیکھ کر وہ سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے بولا تھا۔ عائشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ یوں جیسے اس کا منع کرنا وہ سمجھ گئی ہو۔

"تمہیں پتا ہے میرے ابو نے مجھے تمہارے قابل نہیں سمجھا تھا۔۔۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا عائشہ نیک عورت ہے علی تبریز۔۔۔ مطلب تم میرے لیے نہیں تھیں کیونکہ تم نیک تھیں اور میں نہیں۔۔۔" اس نے اس کے آگے سے فائل اٹھا کر بند کرتے ہوئے سائیڈ پہ رکھی تھی۔

"جانتی ہوں!" جھکی نظر سے اس نے جواب دیا۔ وہ اس کے جواب پہ بے اختیار دل کھول کر ہنسا تھا اور محبت سے اسے دیکھا۔

"مگر کچھ لوگ اتنے خاص ہوتے ہیں کہ ان کے لیے چنے جانے والے شخص کو بھی خاص بنا دیا جاتا ہے۔ میں اب سوچتا ہوں کہ کوئی دین دار شخص کبھی بھی تمہاری اس طرح سے قدر نہ کرتا جس طرح کہ میں کرتا ہوں۔" جواب میں عائشہ نے اسے دیکھا تھا اور ان نظروں میں شرارت سی تھی یوں جیسے اس کی بات کا یقین نہ ہو۔۔۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔" وہ خفا ہو کر بولا۔ اب کی بار وہ ہنسی تھی۔

"عائشہ!" پھر اس نے مدھم آواز میں اسے پکارا۔

"میں کوشش کروں گا زندگی میں ہر وہ کام، ہر وہ بات کروں جس سے تم اسی طرح خوش ہو کر ہنستی رہو۔۔۔" اس کے دیکھنے پہ علی نے عائشہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ عائشہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔ اس نے اسی ہاتھ سے جو علی نے تھام رکھا تھا علی کا دوسرا ہاتھ پکڑا اور آنکھوں سے لگایا۔ یہ محبت کا اظہار نہیں تھا۔۔۔ یہ اس سے بڑھ کر کچھ اور تھا۔۔۔

☆ ☆ ☆

اور پھر زندگی کے اک نئے دور ایک خوشگوار فیز کا

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

آغاز ہوا تھا علی نے خود کو بہت زیادہ تو نہیں مگر تھوڑا بہت بدل ہی لیا تھا۔ وہ عائشہ اور تبریز صاحب احمد ہاؤس میں شفٹ ہو چکے تھے۔

علی نے صحیح کہا تھا وہ عائشہ کی بہت قدر کرتا تھا اس کی عزت کرتا تھا اسے فخر تھا عائشہ احمد اس کی بیوی ہے۔ بھی اسے اس بات پر رشک محسوس ہوا کہ اس کی بیوی عام عورتوں کی طرح سر ننگا نہیں کرتی۔ اور بات صرف سر کو ڈھانپنے تک محدود نہیں تھی وہ ہر لحاظ سے مختلف تھی اور کبھی کبھار یہ انفرادیت' علی کے لیے تکلیف کا باعث بھی بنتی تھی وہ اس کے ساتھ تقریبات میں بھی عبایا پہن کر ہی جاتی تھی میک اپ سے عاری چہرے کے ساتھ۔۔۔ زندگی میں لوگوں کے بنائے ہوئے اصولوں کی ہی کیوں تقلید کی جائے ان اصولوں پہ کیوں نہ چلا جائے جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وضع کر رکھے ہیں۔۔۔

کیا لوگ توقع کرتے ہیں کہ ان کے اصول اللہ کے اصولوں سے برتر ہیں؟

دین پہ عمل کرنا مشکل نہیں یہ دراصل آپ اور ہم ہوتے ہیں جو اسے مشکل بنا دیتے ہیں۔

اور کون ہے جو اس مشکل کو آسان کرے؟

☼ ☼ ☼

"اگر جانا ضروری نہ ہوتا تو میں کبھی تم کو اس طرح سے چھوڑ کر نہ جاتا وہ بھی ایسے میں جب بابا بھی عمرہ کرنے گئے ہوئے ہیں۔" بریف کیس میں پیپرز اور فائلز رکھتے ہوئے وہ کوفت سے بول رہا تھا۔

"پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ رخسانہ ہے نا میرے پاس اور پھر گیٹ پہ گارڈ بھی موجود ہے۔" اس نے جیسے علی کو تسلی دی تھی۔

"آپ کا ڈرائیور چھٹی پہ ہے کیا؟"

"ہاں!" وہ اب مڑ کر ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔

"اور آپ اچھے ڈرائیور نہیں ہیں سوبی کیئر فل۔" علی نے شیشے میں سے اپنے پیچھے کھڑی لڑکی کو دیکھا اور مسکرایا۔

"او کے! اور کچھ؟" اس نے مسکراتے ہوئے اپنی کلائی عائشہ کے آگے کی تھی۔

"اور یہ کہ وہاں لڑکیوں کو تاڑنا نہیں ہے صرف اپنا کام کرنا ہے۔" اس کی کلائی پہ گھڑی باندھتے ہوئے وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"واٹ؟" اسے کرنٹ لگا تھا۔

"محترمہ! اچھا خاصا شریف مشہور ہوں میں ڈیپارٹمنٹ میں۔" اس نے سخت احتجاج کیا۔

"مشہور ہونے میں اور اصل میں ہونے بڑا فرق ہے۔" وہ اب علی کو کوٹ پہنا رہی تھی۔

"کمال ہے! اتنی نیک نامی بھی کسی کام نہیں آئی۔" وہ ناراضی سے بولا اور اب کی بار عائشہ ہنس پڑی تھی۔

"اچھا اپنا خیال رکھنا اور۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکا تھا۔

"اور؟" عائشہ نے دہرا کر پوچھا۔

"اور۔۔۔ اور کچھ بھی نہیں۔" وہ کھسیانا ہوا تھا۔

"اور یہ کہ میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا یہی کہنا تھا نا آپ کو؟"

عائشہ نے اس کا جملہ پکڑنے اور مکمل کرنے کے بعد خفگی سے پوچھا تھا۔ "کوئی ضرورت نہیں جلدی آنے کی آپ عام حالات میں اتنی ریش ڈرائیونگ کرتے ہیں جلدی میں پتا نہیں کیا طوفان آئے گا۔۔۔ آرام سے آنا بے شک کل صبح آجانا مگر اللہ کے واسطے جلدی نہ کرنا۔۔۔" اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے۔

اور علی تبریز نے خالصتاً "اس بیویوں والی نصیحت کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑایا تھا۔ جب طوفان کا آنا طے ہو تو وہ کسی چیز سے نہیں ٹلتا اور طوفان تو آیا تھا تب۔۔۔ جب علی تبریز نے جلدی واپس آنے کی کوشش کی تھی اور گاڑی کھائی میں تو گرنے سے بچ گئی تھی مگر تیز رفتاری کے باعث وہ مری میں سائیڈ پر بنے پہاڑوں سے جا ٹکرائی تھی۔ وہ ایک شدید اور زبردست ایکسیڈنٹ تھا اور علی تبریز وہ بری طرح

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

زخمی ہوا تھا پتا نہیں اس کی زندگی میں خوشیوں کے لمحات اتنے مختصر کیوں ہوا کرتے تھے ابھی تو محض ایک سال ہوا تھا اس کی شادی کو اور اسے بتائے بغیر چارہ نہیں تھا حالانکہ وہ اس خبر کے سننے کی متحمل نہیں تھی۔

ہسپتال مختلف تھا مگر وہی I.C.U ___ وہی عائشہ ___ وہی اندر مشینوں میں جکڑا اس کا کوئی بہت پیارا ___ وہی ہسپتال کا نماز والا مخصوص حصہ ___ اور پھر وہ ہی اس کی حالت سے فرار حاصل کرنے کی کوشش یوں جیسے آنکھیں بند کر لینے سے وہ سب ___ وہ حقیقت خواب میں بدل جائے گی۔ خبر سننے کے بعد اس کا دل چاہا وہ بال نوچے ___ چیخے چلائے۔ مگر پھر وہ ہی نصیحت وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی

"اور مدد مانگو ساتھ صبر کے اور نماز کے۔" اسے یہ ہی سکھایا گیا تھا سو وہ اسی طریقے سے مدد مانگ رہی تھی۔

دادا کے لیے دعا مانگتے وقت اس کا یقین اس کے ساتھ تھا اور بیاروں والی چیز نے آسمان تک کا سفر بھی کیا تھا مگر مہلت ختم ہو چکی تھی۔ لکھا ہوا وقت آ چکا تھا اور اس دعا کو سنبھال کر رکھ دیا گیا تھا اور اب ___ الفاظ اس کے منہ سے نہیں دل سے نکل رہے تھے۔ یقین کا فیول بھی تھا ___ اور وہ آسمان تک روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ وہ بول رہی تھی، پکار رہی تھی اور اللہ سن رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر اللہ سے کہہ رہی تھی کہ علی تبریز کی اسے ضرورت ہے ___ ایک دفعہ پھر وہ اللہ کو بتا رہی تھی کہ وہ اس غم کو سہہ نہیں پائے گی۔

"تو کیا اب اس کا دعا کا فلسفہ کامیاب ہوتا تھا یا فیل ___"

اور اب تو علی تبریز بھی نہیں تھا جو اسے سہارا دیتا ___ پھر رخسانہ اسے زبردستی وہاں سے اٹھا کر لے گئی تھی۔ اس نے کل رات سے ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پیا تھا۔ علی تبریز کی حالت بہت نازک تھی۔ اس کے بچنے کے چانسز محض 30% تھے۔

آئی سی یو کے باہر رکھی چیئر پہ وہ بیٹھی تھی اور رخسانہ نے زبردستی اسے پانی پلایا تھا تبھی اس نے ایک نرس کو آئی سی یو سے گھبراتے ہوئے دوڑ کر باہر نکلتے دیکھا۔ "بیڈ نمبر بارہ کا پیشنٹ۔" نرس کہہ رہی تھی پتا نہیں کیوں مگر پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا تھا اور پھر اس نے ڈاکٹرز کو دوڑ کر آئی سی یو کے اندر جاتے دیکھا بے اختیار وہ کھڑی ہوئی تھی' رخسانہ بھی بدحواس ہوئی۔

بیڈ نمبر بارہ کا مریض علی تبریز ہی تھا یہ بات رخسانہ جانتی تھی وہ نہیں ___ اس نے آئی سی یو کے اندر جانے کی کوشش کی۔

"بی بی! تم اندر نہیں جا سکتا ___" آئی سی یو کے باہر موجود شخص نے اسے روکا تھا۔

"مجھے جانے دو ___ بس ایک نظر دیکھنے دو اللہ کا واسطہ ہے۔" عائشہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔ ایسی صورت حال سے ان لوگوں کا واسطہ پڑتا رہتا تھا سو اس نے عائشہ کو جانے نہیں دیا۔ مگر پھر بھی وہ زبردستی اندر چلی گئی اور تیزی سے بیڈ نمبر بارہ کے پاس جا پہنچی۔

"گل خان ___ خان ___" کرٹن ہٹانے پہ اسے دیکھتے ہی ڈاکٹر پوری قوت سے چلایا تھا۔

"اس عورت کو کس نے اندر گھسنے دیا نکالو اسے باہر!" ڈاکٹر نے سخت غصے سے کہا۔ اور پھر دو نرسوں نے اسے گھسیٹ کر باہر نکالا تھا کیونکہ وہ تو بے جان ہو چکی تھی۔

اس نے بیڈ نمبر بارہ کے مریض کے جسم کو جھٹکے لگاتے دیکھا' اس نے اس شخص کو تڑپتے دیکھا۔ ڈاکٹر کے کرنٹ پاس کرنے پہ اس کا جسم بیڈ سے کچھ فٹ اوپر اچھلا تھا۔ اور پھر اس نے ایک ڈاکٹر کو عین علی تبریز کے سینے میں ایک انجکشن لگاتے ہوئے دیکھا جان بچانے کی آخری کوشش اور وہ بے جان ہوئی تھی۔ نرسز رخسانہ کو جھڑک کر اسے سنبھالنے کا کہہ کر دوبارہ اندر چلی گئیں۔ اور وہ ___ سکتے کی سی کیفیت میں اپنے دونوں زانو پہ گری تھی۔

Scanned with CamScanner

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

چند لمحے وہ اسی حالت میں رہی تھی جامد ۔۔۔ بے حس و حرکت ۔۔۔ رخسانہ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر "یا اللہ!" پورا ہسپتال اس کی دلدوز ۔۔۔ دل کو پھاڑ دینے والی چیخ نما پکار پر دہل کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک چمکیلی دھوپ والی صبح تھی۔ ایسی دھوپ جس میں بیٹھنا انسان کے لیے راحت کا باعث ہو جو جسم کو سکون نما حرارت پہنچاتی ہو۔

سیب کی قاش کاٹ کر اس نے سامنے بیٹھے شخص کے منہ میں ڈالی تھی۔ وہ شخص وہیل چیئر پہ تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ پلستر میں جکڑی ہوئی تھی اور اس کی سہولت کے لیے وہیل چیئر کے سامنے کرسی رکھ کر ٹانگ کو اس کے اوپر رکھا گیا تھا اس کی ٹانگ کے نیچے ایک کشن بھی رکھ دیا گیا تھا۔

نہ صرف ٹانگ بلکہ اس کا دایاں بازو اور بایاں ہاتھ بھی پلستر میں جکڑا ہوا تھا اور چہرے کی حالت گو کہ پہلے سے بہتر تھی مگر پھر بھی اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا اور اب بھی کئی زخم اس پہ موجود تھے۔ اس کی ایک پسلی بھی فریکچر تھی اور جو خون بہا وہ الگ قصہ تھا۔

عائشہ نے ایک اور قاش علی تبریز کی طرف بڑھائی تھی۔ جسے اس نے کھانے سے منع کر دیا۔ عائشہ نے وہ قاش اپنے منہ میں رکھ لی۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں عائشہ!" عائشہ نے نرم نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ایک دفعہ میں نے ایک کالم پڑھا تھا جس میں ایک غیر ملکی کتاب کا ذکر تھا۔ اس کتاب میں مرنے کے بعد دوبارہ واپس آنے والے افراد کے تاثرات قلم بند کیے گئے تھے۔"

"اچھا پھر؟"

"جب میں آئی سی یو میں تھا تو مجھے ایسا لگا کہ میں نے بھی اس چیز کو محسوس کیا ہے۔"

"پلیز علی! وہ وقت نہ یاد دلائیں۔۔۔ نہیں جانتے آپ کیسی تکلیف ہوتی ہے۔"

"دیکھو! میں بالکل ٹھیک ہوں اور تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ تم سنو تو سہی۔۔۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی عائشہ چپ ہوئی تھی۔

"جب میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا مجھے بس یہ یاد رہا کہ گاڑی تیز رفتاری کے باعث بے قابو ہوئی تھی میں نے اسے کھائی میں گرنے سے بچانے کے لیے اس کا رخ پہاڑ کی طرف موڑ دیا تھا اور پھر اس کے بعد کا وقت۔۔۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کوئی نیند میں ہو۔۔۔ اور اس نیند کی حالت کو جس چیز نے توڑا تھا۔۔۔ وہ ایک سخت اذیت والی تکلیف کی لہر تھی جو میں نے اپنے پیروں سے ٹانگوں میں اٹھتی ہوئی محسوس کی تھی۔ ایسی تکلیف عائشہ! کہ بیان سے باہر ہے یوں جیسے ہزاروں شیشے کی کرچیاں آپ کے خون میں شامل ہو کر نسوں کو کاٹنے لگیں۔"

عائشہ کی آنکھیں اتنی بھر آئیں کہ اب وہ بہنے لگی تھیں مگر علی تبریز اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"اور پھر اس تکلیف سے میں تڑپنے لگا تکلیف کی لہر پیروں سے شروع ہو کر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف آ رہی تھی اور جہاں جہاں وہ اذیت نما تکلیف ختم ہو رہی تھی میں نے جسم کے ان حصوں کو کسی ٹھوس چیز کی طرح بھاری اور سرد پڑتے محسوس کیا تکلیف تھی کہ پھیلتی ہی جا رہی تھی پیروں سے ٹانگوں میں اور ٹانگوں سے سینے تک۔۔۔ اور میں تھا کہ تڑپتا ہی جا رہا تھا۔

عائشہ کے آنسو اب ٹھوڑی سے نیچے قطروں کی صورت میں گر رہے تھے وقفے وقفے سے مگر مسلسل ۔۔۔

"اور پھر مجھے یوں لگا کہ جیسے سانس آنا بند ہو رہا ہو ایسے جیسے کوئی منہ پہ تکیہ رکھ کر سانس کو دبانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ تکلیف پچھلی تکلیف سے بڑھ کر تھی۔ میں اپنی پوری قوت لگا کر زور سے سانس لینے کی کوشش کرتا مگر میرا سانس گردش ہی نہیں کر رہا تھا۔ وہ سینے میں ہی پھنس گیا تھا۔ اف۔۔۔ عائشہ میں بتا نہیں سکتا میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ تب مجھے احساس

Scanned with CamScanner

ہوا کہ میں مر رہا تھا میرا سانس صرف سینے تک تھا اور اس سے نچلا حصہ کسی گلیشیئر کی طرح سرد اور بھاری ہو چکا تھا۔ پھر اچانک میرے جسم کو ایک زوردار انتہائی تکلیف دہ جھٹکا لگا اور اس کے بعد۔۔۔ میں نے خود کو اتنا ہلکا محسوس کیا تھا جتنا کہ ہوا میں اڑنے والا کوئی تنکا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بہت ٹھنڈک کا سا احساس ہوا تھا جیسے میں نے برف کے تالاب میں چھلانگ لگا دی ہو۔۔۔ اور پھر۔۔۔ وہ کیا تھا۔۔۔ شاید روشنی بہت زیادہ سفید۔۔۔ دھندلی سی روشنی۔۔۔ تبھی میں نے یہ محسوس کیا کہ میں ہوا میں چت لیٹا تیر رہا ہوں اور وہ روشنی۔۔۔ میرے اوپر تھی اور میں آہستہ آہستہ اوپر کی طرف اس روشنی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر اچانک یوں محسوس ہوا تھا کہ کوئی طاقت۔۔۔ مجھے اس روشنی تک بڑھنے نہیں دے رہی۔ میں اوپر جانا چاہ رہا تھا مگر وہ طاقت مجھے نیچے کھینچ رہی تھی اتنی زیادہ تھی عائشہ یوں جیسے میرے ساتھ ہزاروں رسیاں باندھ کر کوئی مجھے نیچے کی طرف کھینچ رہا ہو میں جو کہ آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھ رہا تھا اب نیچے کی طرف کھینچا جا رہا تھا

—

اور وہ روشنی مجھ سے دور ہوتی چلی گئی۔۔۔ اتنی دور کہ مجھے اب اس کا دھندلا سا عکس نظر آ رہا تھا تبھی میرے زور سے سانس لینے کی کوشش پوری ہو گئی تھی اور کوئی چیز کرنٹ کی طرح میرے پورے جسم میں دوڑی تھی اسی وقت میں نے کسی نوکیلی چیز کو اپنے سینے میں چبھتے ہوئے بھی محسوس کیا۔ اور پھر اندھیرا چھاتا چلا گیا تھا۔"

وہ دور کسی خلا میں موجود کسی نقطے کو دیکھ کر بول رہا تھا۔ بات ختم کر کے اس نے عائشہ کو دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔

"جب میں نے وہ کالم پڑھا تھا تو اس کا مذاق اڑایا تھا لیکن آج میں سمجھ سکتا ہوں کہ ہر چیز مذاق میں نہیں اڑائی جا سکتی۔" علی اب اس کی آنکھوں میں نرمی سے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ عائشہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ فورس۔۔۔ وہ طاقت۔۔۔ وہ انرجی۔۔۔ وہ اس کی دعا تھی۔ آخری وقت میں اس کا چیخ کر اللہ کو پکارنا۔۔۔ دعا ہی تو تھا۔

مگر علی تبریز نے شاید غیاث احمد کے ساتھ عائشہ کے دعا کے فلسفے کو بھی دفنا دیا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا اور عائشہ اسے یاد کروانا بھی نہیں چاہتی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ پھر وہ کبھی اس سے آکر کہے کہ "تمہارا دعائے انرجی والا فلسفہ فیل ہو گیا۔"

وہ اس بات کو سمجھ نہیں سکتا تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھی وہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ دعا فیل ہو گئی تھی ہو سکتا تھا کہ کسی اور وقت میں مانگی گئی دعا اب اس کے کام آئی ہو اور وہ اس کے سامنے زندہ بیٹھا ہوا تھا۔

"اب کیا کوئی اور ثبوت چاہیے تھا؟" اس نے بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھا۔

اور کیسی عجیب بات ہے انسان ہر حالت میں آسمان کی طرف ہی دیکھتا ہے۔ دکھ ہو' خوشی ہو' شکر ہو' بے بسی ہو' عاجزی ہو یا پھر مانگنا ہو۔ انسان ہر حالت میں اوپر کی طرف ہی دیکھتا ہے۔ حالانکہ اوپر دیکھنے پر تو صرف نیلا آسمان ہی دکھائی دیتا ہے مگر وہ نہیں جس سے اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔"

"دراصل! یہ آپ کا یقین ہوتا ہے جو آپ کو اوپر دیکھنے پہ مجبور کر دیتا ہے۔"

"یقین۔۔۔"

"اور ساری کہانی۔۔۔ اسی ایک بات کی تو تھی۔۔۔

Scanned with CamScanner